ڈاکٹر سردار احمد خاں :

میر سوز

توضیحات :

سوائے تذکروں اور چند مضامین کے ، میر سوز پر کوئی باقاعدہ کام نہیں ملتا - جو مضامین لکھے گئے ہیں ان میں بھی سرسری معلومات اور جائزہ پیش کیا گیا ہے بلکہ میر سوز کے بارے میں جو غلط اطلاعات اولین تذکروں میں تھیں' انھی کا بغیر تحقیق کے اعادہ کر دیا گیا ہے - راقم الحروف کو سب سے زیادہ دشواری اسی معاملے میں پیش آئی - اس ضمن میں متعلقہ اور غیر متعلقہ بکثرت کتابوں کا مطالعہ کیا گیا - ایک ایک تذکرے کی ورق گردانی کی اور جہاں بھی کوئی مطلب کی بات ملی اس سے فائدہ اٹھایا گیا - چنانچہ میر سوز کے بارے میں جملہ معلومات کی فراہمی اس اصول کے تحت کی گئی ہے کہ صرف قریب العہد شہادتیں قبول کی جائیں لہذا ہمارے مآخذ وہ تذکرے ہیں جو سوز کی زندگی میں مرتب ہوئے - ان کے بعد ان تذکروں کو ترجیح دی گئی ہے جن کے مصنفین نے سوز کو دیکھا تھا یا ان کے دوستوں سے واقف تھے - کم و بیش ۳۶ معروف تذکرہ نگاروں نے میر سوز کا ذکر اپنے تذکروں میں کیا ہے - غیر معروف تذکرہ نگاروں کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ بعد میں جو تذکرے لکھے گئے ان کے مآخذ یہی تذکرے ہیں ان میں ان ہی باتوں کو دہرایا گیا ہے جو اولین تذکروں میں تحریر تھیں - لہذا ہم نے ان کو بطور سند کے مدِنظر نہیں رکھا ہے' البتہ ان تذکروں کی اہمیت کے اعتبار سے یہ ضرور ہے کہ ان میں سوز کے فن پر رائے زنی کی گئی ہے اور ان سے پتا چلتا ہے کہ زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ سخن فہموں کے انداز فکر میں کس نوعیت کی تبدیلیاں ہوئیں اور انھوں نے کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے - لہذا ہم نے تمام تذکروں سے میر سوز کے متعلق تمام معلومات ترتیب کے ساتھ اس مقالے میں شامل کر دی ہیں اس طرح سوز کے بارے میں تمام منتشر مواد یکجا ہو گیا ہے - جن تذکروں سے اسناد حاصل کی گئی ہیں اور جن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' ان کی تفصیل یہ ہے (چونکہ تذکروں کے حوالوں میں مخففات سے کام لیا گیا ہے اس لیے مخفف بھی ہر تذکرے کا متعین کر کے لکھ دیا گیا ہے):

۱- میر تقی میر : نکات الشعراء ، ۶۴ - ۱۱۶۵ھ مطابق ۵۱- ۱۷۵۶ء ، ن ش -

۲- فتح علی حسینی گردیزی : ریختہ گویاں ، ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء ، رگ -

۳- شیخ محمد قیام الدین

قائم چاندپوری

: مخزن نکات ، ۱۱۶۸ ھ مطابق ۱۷۵۵ء ، م ن -

۴- لچھمی نرائن شفیق : چمنستان شعراء ، ۱۱۷۵ ھ مطابق ۱۷۶۲ء ، چ ش -

۵- قدرت اللہ شوق : طبقات الشعراء ، ۱۱۸۸ ھ مطابق ۱۷۷۴ء ، شوق -

۶- میر حسن : شعرائے اردو ، ۷۷ - ۱۱۹۲ ھ مطابق ۷۴ - ۱۷۸۰ء ، ش ا -

۷- سید غلام حسین شورش : تذکرۂ شورش ، ۱۱۹۳ ھ مطابق ۱۱۷۸ء ، ت ش -

۸ - مرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خان ہبتلا لکھنوی : گلشن سخن ، ۱۱۹۴ ھ مطابق ۱۷۸۰ ع ، گ س -

۹- علی ابراہیم خان خلیل : گلزار ابراہیم ، ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء ، گ ا -

۱۰- غلام ہمدانی مصحفی : تذکرۂ ہندی ، ۱۲۰۹ ھ مطابق ۱۷۹۴ء ، ت ہ -

۱۱- خوب چند ذکاء : عیار الشعراء ، ۱۲۱۳ ھ مطابق ۱۷۹۹ء ، ع ش -

۱۲- وجیہ الدین عشقی : تذکرۂ عشقی ، ۱۲۱۵ ھ مطابق ۱۸۰۱ء ، ت ع -

۱۳- علی لطف : گلشن ہند ، ۱۲۱۵ ھ مطابق ۱۸۰۱ء ، گ ہ -

۱۴- میر محمد خان اعظم الدولہ سرور : عمدۃ المنتخبہ ، ۱۶ - ۱۲۱۹ ھ مطابق ۱۸۰۱ - ۱۸۰۴ء ، ع م -

۱۵- شاہ کمال : مجمع الانتخاب ، ۱۲۲۱ ھ مطابق ۱۸۰۶ء ، م ا -

۱۶- قدرت اللہ قاسم : مجموعۂ نغز ، ۱۲۲۱ ھ مطابق ۱۸۰۶ء ، نغز-

۱۷- غلام محی الدین ہبتلا میرٹھی : طبقات سخن ، ۱۲۲۲ ھ مطابق ۱۸۰۷ء ، ط س -

۱۸- بینی نرائن جہاں : دیوان جہاں ، ۱۲۲۲ ھ مطابق ۱۸۰۷ء ، د ج -

۱۹- ابن امین اللہ طوفان : تذکرۃ الشعراء ، ۱۲۴۷ ھ مطابق ۱۸۳۱ء ، ش -

۲۰- یکتا : دستور الفصاحت ، ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء - د ف -

۲۱- مصطفےٰ خان شیفتہ : گلشن بے خار ، ۱۲۵۰ ھ مطابق ۱۸۳۵ء ، خار -

۲۲- گارسین دی تاسی : تاریخ ادب ہندوستانی ، ۸۷-۱۲۵۵ ھ مطابق ۷۰-۱۸۳۹ء ، ت ا ہ -

۲۳- احمد حسین سحر : بہارِ بے خزاں ، ۱۲۶۱ ھ مطابق ۱۸۴۵ء ، خزان -

۲۴- قطب الدین باطن : گلستان بے خزاں ، ۱۲۶۱ ھ مطابق ۱۸۴۵ء ، گل -

۲۵- سعادت خان ناصر : خوش معرکۂ زیبا ، ۱۲۶۲ ھ مطابق ۱۸۴۶ء ، خوش-

۲۶- کریم الدین و فیلن : طبقات الشعرائے ہند ، ۱۲۶۳ ھ مطابق ۱۸۴۷ء ،

کریم -

۲۷- محسن علی محسن لکھنوی : سراپا سخن ، ۱۲۶۹ ھ مطابق ۱۸۵۳ء ، س س -

۲۸- اسپرنگر : یادگار الشعراء ، ۱۲۶۹ ھ مطابق ۱۸۵۳ء ، ی ش -

۲۹- نصر اللہ خان خویشگی : گلشن ہمیشہ بہار ، ۱۲۷۱ ھ مطابق ۱۸۵۴ء ، بہار -

۳۰- عبدالغفور نساخ : سخن شعراء ، ۱۲۸۱ ھمطابق ۱۸۶۴ء ، س ش -

۳۱- عبدالحی صفا بدایونی : شمیم سخن ، ۱۲۸۹ ھ مطابق ۱۸۷۲ء ، ش س -

۳۲- سید علی حسن خان : بزم سخن ، ۱۲۹۷ ھ مطابق ۱۸۸۰ء ، ب س -

۳۳- سید نورالحسن : طور کلیم ، ۱۲۹۷ ھ مطابق ۱۸۸۰ء ، ط ک -

۳۴- محمد حسین آزاد : آب حیات ، ۱۲۹۷ ھ مطابق ۱۸۸۰ء ، آ ح -

۳۵- سید فرزند احمد صغیر بلگرامی : جلوۂ خضر ، ۱۳۰۱ ھ مطابق ۱۸۸۵ء ، ج خ -

۳۶- عبدالرؤف عشرت : آب بقا ، ۱۹۱۸ء ، آ ب -

دوسرا دشوار مرحلہ میر سوز کے کلام کی دستیابی کا تھا - اگرچہ ان کے دیوان کے متعدد نسخے ہیں لیکن سب کے سب بکھرے ہوئے ہیں - تمام نسخوں کی دریافت اور ہر اک کے مطالعے کے بغیر دیوانِ سوز کی تحقیق و تدوین ممکن نہیں تھی - اس وقت تک جو نسخے دستیاب ہوئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے -

۱- دیوانِ سوز

کتب خانۂ نواب سالار جنگ حیدرآباد دکن

نمبر - ۱۷۰

سائز - ۹ x ۵ . ۵

صفحات - ۲۰

سطر - ۱۵

خط نستعلیق

کاغذ - دیسی

آغاز - سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا

بجائے مدّ بسم اللہ مدِّ آہ میں لکھتا

اختتام - ترا جور و جفا مہر و وفا ہے غیر سے بہتر

وفاداروں کے لب پہنچی ہے تیری بے وفائی کو (؟)

ملاحظات - اس دیوان میں صرف ردیف وار غزلیات ہیں - ناقص الآخر ہے سنہ کتابت

نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے اپنی پسند اور مرضی کے بموجب غزلوں کا انتخاب کیا ہے -

۲- دیوانِ سوز- کتب خانۂ نواب سالار جنگ ، حیدرآباد دکن

نمبر- ۱۶۰

سائز - ۶ X ۸

صفحات - ۲۴

سطر - ۱۱

خط - شکستہ

کاغذ - دیسی

آغاز - سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدّ بسم اللہ مدّ آہ میں لکھتا

اختتام - لخت جگر و کباب دل ہے تیار
آتے تو ہم بھی مہمانی کرتے

ملاحظات - اس مختصر دیوان میں غزلیات ہیں جو چند ردیفوں پر مشتمل ہیں - آخر میں تین رباعیات بھی ہیں - اس نسخے میں بھی سنہ کتابت موجود نہیں ہے - بحیثیت مجموعی یہ نسخہ بھی نامکمل ہے - مرتب نے اپنی مرضی کے مطابق غزلوں کا انتخاب کیا ہے اور غزلوں میں بعض اشعار معمولی سمجھ کر چھوڑ بھی دیے ہیں - اس لحاظ سے یہ بھی انتخاب کہا جا سکتا ہے -

۳- دیوانِ سوز - کتب خانۂ نواب سالار جنگ ، حیدرآباد دکن -

نمبر ۴۴۲

سائز ۷ . ۵ X ۱۰ . ۵

صفحات - ۱۲۲

خط نستعلیق

کاغذ دیسی

آغاز دیکھ دل کو چھیڑ مت ظالم کہیں دکھ جائے گا
یاں بغیر از قطرۂ خوں اور تو کیا پائے گا

اختتام -

کہا جو سوز نے بوسہ تو دے جا
لگا کہنے کہ پھسلانے کی خو ہے

ملاحظات - اس دیوان میں بھی ردیف وار غزلیات ہیں - اس نسخے پر بھی سنہ کتابت درج نہیں ہے - اس نسخے کے مرتب نے بھی اپنی مرضی سے غزلوں کا انتخاب کیا ہے اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھا ہے کہ غزلیں مکمل ہوں - مجموعی طور پر یہ نسخہ پہلے دو نسخوں سے بھی زیادہ غیر مکمل اور ناقص ہے -

۴- دیوانِ سوز - کتب خانۂ نواب سالار جنگ، حیدرآباد دکن

نمبر - ۵۴۷

کتاب نمبر - ۷۱

سائز - ۶ × ۸.۵

صفحات - ۱۵۴

سطر - ۱۲

خط - نستعلیق

کاغذ دیسی

آغاز
سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدّ بسم اللہ مدّ آہ میں لکھتا

اختتام مثنوی پر ہے -

ملاحظات - پہلے صفحہ پر ۱۲ شعر عید کے متعلق ہیں معلوم نہیں یہ اشعار کس کے ہیں دوسرے صفحے پر تین مہریں ہیں دو مہریں پڑھی نہیں جاتیں - ایک مہر کی عبارت پڑھی جاتی ہے - اس پر نقش ہے " محترم الدولہ ۱۲۵۷ھ " یہ دیوان بڑی حد تک مکمل ہے غزلوں کے علاوہ مخمسات اور مثنویات بھی ہیں اس نسخہ میں میر سوز کے علاوہ دوسرے شعراء کے اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن وہ کم ہیں اور بعد کا اضافہ معلوم ہوتے ہیں -

بڑا حصہ میر سوز کے کلام پر مشتمل ہے۔
اس نسخے پر آخر میں دو ترقیمے ہیں کاتب کا نام میر عظیم علی ایلچپوری اور سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ معلوم ہوتا ہے اصل عبارت یہ ہے۔

" تمت الکتاب بعون الوہاب حسب فرمائش نواب ذوالاقتدار بیدار بخت سزاوار تاج و تخت نواب محترم جنگ بہادر دام دولتہ و ملکہ بخط اضعف العباد میر عظیم علی ایلچپوری احسن اللہ فی الدارین ھفتدہم ماہ ربیع الثانی ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۲۴۵ فصلی "۔

دوسرے ترقیمے کی عبارت یہ ہے۔ " روزیک شنبہ بتاریخ بست و یکم ماہ ربیع الثانی ۱۲۵۱ھ کتاب دیوان میر سوز از فرزند فیاض علی خاں مرحوم گرفتہ بدست میر عظیم الدین سید نویسانیدہ شد "۔

اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ اصل نسخہ فیاض علی خاں کے بیٹے کے پاس تھا اور اس سے میر عظیم الدین نے محترم الدولہ کے لیے نقل کیا۔

۵-	دیوان سوز۔	اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد دکن (کتب خانۂ آصفیہ)
	نمبر۔	۲۲۹۸
	سائز۔	۵.۵ × ۷.۵
	صفحات	۵۹۰
	سطر	۱۱
	خط۔	نستعلیق
	کاغذ	دیسی
	آغاز۔	سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا بجائے میرؔ بسم اللہ میرؔ آہ میں لکھتا
	ملاحظات۔	یہ نسخہ بھی ناقص سے اور غیر مکمل ہے۔ اغلاط خاصی ہیں۔
۶-	دیوان سوز۔	برٹش میوزیم لندن

ملاحظات -

یہ نسخہ شاہان اودھ کی ملکیت تھا جو بعد انتزاع سلطنت لندن بھیج دیا گیا- اس نسخے پر امجد علیشاہ والیٔ اودھ کے دستخط ثبت ہیں اور تاریخ نہم ربیع اول ۱۲۶۲ ھ درج ہے، داروغۂ کتب خانۂ موتی محل منشی محمد علی کے دستخط بھی ہیں - کل اوراق ۱۹۰ ہیں آخر کے پانچ ورقوں پر مہریں ہیں - دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے-

دعویٰ بڑا ہے سوز کو اپنے کلام کا -
جو غور کیجیے تو ہے کوڑی کے کام کا -

بعد میں اس مطلع کی غزل سے دیوان شروع ہوتا ہے-

سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدّ بسم اللہ مدّ آہ میں لکھتا

۷- دیوانِ سوز - کتب خانہ انڈیا آفس لندن -
عکس مملوکہ ترقی اردو بورڈ کراچی -

نمبر- (ترقی اردو بورڈ کا ۶۶۷۲

سائز ۶ × ۹.۵

صفحات - ۲۸۳

سطر - ۱۱

خط - نستعلیق

آغاز - سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدّ بسم اللہ مدّ آہ میں لکھتا

ملاحظات - نسخہ کے پہلے صفحے پر یا فتاح لکھا ہے اس کے نیچے انگریزی میں کالج آف فورٹ ولیم لکھا ہوا ہے ساتھ ہی فورٹ ولیم کالج کی مہر لگی ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج کے لیے مرتب کیا گیا تھا - آخر میں ایک قصیدہ ہنری کولبروک کی مدح میں ہے - قصیدے کے خاتمے پر لکھا ہے -- تمام شد قطعۂ مدح

ترقیمے کی عبارت یہ ہے -

گفتۂ نمک خوار قدیم بندہ حسین شاہ "
تمت تمام نسخۂ دیوان من تصنیف میر سوز شاعر دھلوی مستنج (؟) جہاں ۱۴ درجمادی الثانی ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ ع - یہ نسخہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس میں کچھ کلام ایسا بھی ہے جو دوسرے نسخوں میں نہیں ہے-] حسین شاہ کا قصیدہ بطور ضمیمہ درج ذیل ہے- حقیقت تخلص قصیدے میں موجود ہے اور یہ معلوم و مشہور مصنف ہے - اس کا بیٹا محسن لکھنوی ہے جو تذکرۂ "سراپا سخن" کا مؤلف ہے-

حسین شاہ حقیقت کا قصیدہ

سحر یہ شکوۂ گردوں زباں پہ تھا میری
کہ سخت درپئے ایذا ہے چرخ کج رفتار

جہاں میں اہل ہنر جو ہیں صورت مہ و مہر
رکھے ہے ان کو بہ گردش یہ چرخ لیل و نہار

نہ اس کو قدر ہنر کی نہ فضل کی ہے قدر
ہے سفلہ پرور و دوں نعمت و نجیب آزار

نہیں ہے امن کی جا دور میں اب اس کے کہیں
کرے ہے ہر کوئی زندانِ آسماں سے فرار

یہ گفتگو تھی زباں پہ مری شکایت کی
کہ پیرِ عقل نے مژدہ دیا مجھے یک بار

کیا جو چاہے مبدل بہ عیش تو غمِ دل
بتائیں تو تجھے تدبیر اس کی ہم اے یار

قلم کو ہاتھ میں لے کر، کر اس کا وصف رقم
محیطِ دہر میں ہے جو کہ گوہرِ شہوار

کرے ہے جب کہ وہ دستِ گہر فشاں کو بلند
تو دامن اپنا پسارے ہے ابرِ گوہر بار

ستارہ قدر و فلک صدر و مشتری طلعت
شہاب سطوت و بہرام کے و مہر وقار

یہ علم و فضل و بلاغت خدا نے اس کو دیا
کہ اس کے آگے فلاطوں ہے طفل مکتب دار

شجاعت ایسی کہ ہے دھاک سارے عالم میں
غرض کہ رستم و سہراب اس کے خدمت گار

چراغِ دانش و فرہنگ، شمعِ بزمِ فرنگ
شجاع و کوہ وقار و حلیم و کم نقار

کہا میں تو نے یہ مژدہ اگر دیا ہے مجھے
تو اس کا نام بھی بارے بتادے بے تکرار

وہ بولا اسم مبارک ہے ہنری کولبروک
شگفتہ اس کی بدولت ہے دہر کا گلزار

یہ عقل و ہوش عنایت اسے خدا نے کی
کہ جس کے فہم کے قائل ہیں عاقل و ہشیار

لکھوں جو وصف میں کچھ اس کے علم و دانش کا
بہار دانش منظوم ہوویں وہ اشعار

قلم سے اپنے وہ کارِ فرنگ کیا ہے عجب   رقم کو اس کی جو فہرست میں کروں تیار
سخاوت ایسی کہ جود و سخا کروں جو رقم   دوات شکلِ صدف ہو قلم ہو گوہر بار
کرے جو اس سے کوئی آ سوالِ خر مہرا   تو دے ہزاروں وہ سائل کو موتیوں کے ہار
کہا میں پیرِ فلک سے ہے کوئی اس سا خلیق   وہ حاشا کہکے وہیں صاف کر گیا انکار
ہنر شناس و ہنر پرور و ہنر آرا   سخنور آپ سخن سنج اور سخن کا یار
اب اس کی طبع رسا سے اٹھے وہ گردوں ساں   بنائے کاخ سخن ہو رہے تھے جو مسمار
کہاں تلک میں کروں وصفِ غائبانہ رقم   حضور ہی میں پڑھوں کیوں نہ اب کئی اشعار
تو وہ ہے مہرِ سپہرِ کمالِ فضل و ہنر   کہ جس کے دور کے محتاج ہیں صغار و کبار
نہ ہوتے اہلِ سخن نغمہ ساز جوں طوطی   جو تیری طبع نہ ہوتی انھوں کی آئینہ دار
ترے ہی خرمنِ استاد سے ہے خوشہ چیں   سخن کیے ہیں سخن دانوں نے کئی انبار
نہ کرتا گر تو خریداری سخن بہ سخن   جہاں میں ہوتا سخن کا نہ گرم یوں بازار
جو سنتے کاشکے تیری فصاحت اہل سلف   ---- کہتے نہ سحباں کو وہ کبھی ----
یقیں ہے اس کی زباں میں بھی لکنت آ جاتی   جو سنتا آن کے سحباں فصیح یہ گفتار
جو تیرے دستِ گہر بخش سے ...... مثال   صدف میں ہوتے ، نہ پیدا کبھی دُرِ شہوار
ہو تیرے رعبِ عدالت سے اس کا بازو شل   جو چاہے شیر کہ روبہ کے دے گلو کو فشار
عجب ضعیف نوازی کہ روبۂ کم زور   ہے تیرے دورِ عدالت سے اب وہ شیر شکار
لکھوں میں سرعت گلگون بادپا کیوں کر   کہ جس کے کاوے کو ہے تنگ گنبد دوار
کہ ایک دم میں دکھاوے وہ شش جہت کی سیر   اچک کے باگ جو ٹک پھیر دے وہ شاہ سوار
----- ----- تیری مجھ کو دور   خدا کرے کہ نہ گردش سے ہو فلک کو قرار
------ ------ ----- فلک کا گناہ   --- ----- رسا رہتا واں ہی لیل و نہار
ہنر شناس ہے تو اور کریم ابن کریم   سخا میں حاتم طے اور کرم میں جم کردار
حقیقت اب تو دعا پر کلام تو کر ختم   کہ بالکل اس کا کہاں وصف ہو سکے اظہار
الٰہی تاکہ منقش ہے سقف چرخ بلند   رہے جہاں میں یہ صاحب سدا بعز و وقار
الٰہی اس کی ہو اولاد باغِ دنیا میں   نہالِ عمر سے اپنی ہر ایک برخوردار
جو دوست اس کے ہوں شاداں رہیں زمانے
میں   رہیں ذلیل ہمیشہ عدو بد کردار

یہی ہے بندے کی اب تجھ سے التجا صاحب   نگاہِ پرورش از حالِ من دریغ نہ دار
نجات دے مجھے غم ہائے دہر سے اس طور   کہ پہنچے گرد کدورت نہ مجھ تلک زنہار
فلک کے جور کا شکوہ نہ کر حقیقت تو   اگرچہ اس نے تجھے کر رکھا ہے خستہ و خوار
بس اس کا چھوڑ گلہ شکر کر تو اب اس کا   کہ آیا سایۂ دولت میں اس کی تو اے یار

پڑھوں کسی کا وہ مطلع تری حضوری میں کہ پھیر جس سے نہ ہو عرضِ حال کی تکرار

کریم سائلِ خود را غنی کند یکبار

دوبارہ لب نہ کشاید صدف بہ ابرِ بہار]

حسین شاہ کے ممدوح ہنری کولبرُک (Henry Colebrook) بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں سنسکرت کے عالم کی حیثیت سے ملازم تھے۔ یہ تقرر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور میں ہوا۔ بعد میں گورنر جنرل کونسل کے ممبر بنے - ۱۷۷۲ء میں جب بنگال برطانوی حکومت کا حصہ قرار پایا تو ضدو لاء (Hindu Law) کی تدوین ہنری کولبرُک نے سر ولیم جوزف کے ساتھ مل کر کی تھی -

(۱)

۸- دیوان سوز - کتب خانۂ انجمن ترقی اردو ہند ، نئی دہلی

ملاحظات - : یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اور صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔ کاتب غیر محتاط ہے - جا بجا اشعار غلط لکھے گئے ہیں - سنہ کتابت درج نہیں ہے - کاتب کا نام بھی معلوم نہیں ہے - دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے -

سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا

بجائے مدّ بسم اللہ، مدّ آہ میں لکھتا

۹- دیوانِ سوز- رضا لائبریری رام پور

ملاحظات - اس نسخے کا نمبر ۳۹۹ - ۴۰۰ ہے - نسخہ کرم خوردہ ہے لیکن کتابت اچھی ہے۔ کہیں کہیں اشعار پڑھے نہیں جاتے ہیں، کیونکہ بوسیدہ اوراق پر سفید باریک کاغذ کے جوڑ لگائے گئے ہیں۔

ترقیمے کی عبارت یہ ہے - " بتاریخ ہفدھم یوم شنبہ شہر محرم الحرام ۱۲۲۷ ھ صورت اتمام یافت " کل ۲۱۵ صفحات ہیں - دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے -

جز شکر قلم صفحہ پہ خلاق جہاں کا

چاہوں جو کرے وصف تو کیا منہ ہے زباں کا

یہ نسخہ مکمل ہے اور اس میں اغلاط بھی برائے نام ہیں -

۱۰- دیوانِ سوز - کتب خانۂ ترقی اردو بورڈ کراچی (اردو ڈکشنری بورڈ

کراچی ہے

نمبر - ۱۳۳۴

سائز - ۸.۵ x ۶.۵

صفحات ۴۹۶

خط - نستعلیق

آغاز - جز شکر قلم صفحہ پہ خلاق جہاں کا
چاہوں جو کرے وصف تو کیا منہ ہے زباں کا

ملاحظات - یہ نسخہ بہت اچھی حالت میں ہے - کہیں کہیں کاغذ کو کیڑا کھا گیا ہے لیکن نسخہ بالکل مکمل ہے -

ترقیمے کی عبارت یہ ہے - " تمت تمام شہکار من نظام کاتب الحروف احقر العباد سید میر عفی اللہ عنہ تحریر فی تاریخ شہر جمادی الثانی روز شنبہ ۱۲۴۵ ھ -

۱۱- دیوانِ سوز - کتب خانہ برٹش میوزیم لندن -

نمبر ۱۴۱۱۴۰ - ۵۴ (۱-۲)

سائز - ۹.۵ x ۶

صفحات - ۵۹

سطر ۱۱

خط - نستعلیق

آغاز - جز شکر قلم صفحہ پہ خلّاق جہاں کا
چاہے جو کرے وصف تو کیا منہ ہے دہاں کا

ملاحظات - : اصل دیوان کا انتخاب ہے- یہ نسخہ ۱۲۳۸ ھ مطابق ۱۸۳۱ ء میں بنگال لیتھوگرافک پریس کلکتہ میں چھپا تھا-

ترقیمے کی عبارت یہ ہے - " نسخۂ انتخاب دیوانِ سوز بخط عقیدت مخزن بشن نرائن از نسخۂ مطبوعۂ سابق نقل نمود و مقابلہ کردہ بہ طبع درآوردہ شد - امید از خوش نظرانِ بلاغت نشان اینکہ سہو و خطائم را بہ دل اصلاح بہ پوشند زیراکہ الانسان مرکب الخطا و النسیان - تمت تمام -

۱۲- دیوانِ سوز - : ڈویژنل پبلک لائبریری خیرپور -

ملاحظات - یہ نسخہ بنگال لیتھو پریس کے نسخے کے مطابق ہے -

ترقیمے کی عبارت یہ ہے - : " تمت الکتاب بعون الملک الوہاب روز چہار شنبہ بتاریخ شانزدہم شہر شعبان المعظم ۱۲۵۹ ھ مطابق ۱۸۴۲ ء بسرعت بہ عرصہ سہ پہر اتمام رسید اضعف السادات محمد دودمان حسینی غفرلہ "

ان نسخوں کے مطالعے کے بعد پتا چلتا ہے کہ میر سوز کے دیوان کی تدوین دو حصوں پر مشتمل ہے ایک نسخے کی ابتدا اس غزل سے ہوتی ہے جس کا مطلع یہ ہے -

سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدّ بسم اللہ مدّ آہ میں لکھتا

دوسرا نسخہ وہ ہے جس کی ابتدا اس غزل سے ہوتی ہے جس کا مطلع یہ ہے -

جز شکر قلم صفحہ پہ خلاقِ جہاں کا
چاہے جو کرے وصف تو کیا منہ ہے وہاں کا

پہلے نسخے کی سردست آٹھ نقلیں موجود ہیں جیسا کہ نمبر شمار ۱ سے ۸ تک ظاہر ہے دوسرے نسخے کی دو نقلیں فراہم ہیں جیسا کہ نمبر شمار ۹ اور ۱۰ سے ظاہر ہے باقی دو نقلیں ۹ اور ۱۰ کے انتخاب پر مشتمل ہیں - راقم الحروف نے میر سوز کے دیوان کی تدوین میں نمبر شمار کے ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ نسخوں کو بنیاد بنا لیا ہے - نمبر ۷ ، ۸ اور ۹ - ۱۰ کی ترتیب اگرچہ مختلف ہے لیکن ان میں بیشتر غزلیں مشترک ہیں - اکثر جگہ اختلاف بھی ملتا ہے - یہ صورتِ حال دیوان کی تصحیح و تدوین کے لیے سخت دقت طلب تھی - لہٰذا اطمینانِ خاطر کی غرض سے راقم الحروف نے ہندوستان جا کر مزید تحقیق کی۔جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کا جائزہ لیا گیا ، ہر نسخے کا دوسرے نسخوں سے مقابلہ کیا گیا بعض جگہ کاغذ کرم خوردہ ہو گئے تھے اور اشعار کا پڑھنا ممکن نہ تھا- لیکن نسخوں کے تقابل سے ان اشعار کے محو شدہ اشعار بھی درست ہو گئے اور اختلاف بھی دور ہو گیا - پھر بھی کچھ اشعار ایسے رہ گئے جو درست نہ کیے جا سکے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اشعار صرف ایک ہی نسخے میں تھے - زیرِ نظر دیوان کی تدوین متذکرہ نسخوں کے تقابل اور تطابق کے بعد کی گئی ہے پھر بھی یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ تصحیح شدہ متن مصنف کی منشا کے بہ موجب ہے - ہر نسخے میں کہیں نہ کہیں اختلاف ضرور ہے کسی میں ایک غزل ہے تو وہی غزل دوسرے نسخوں میں نہیں ہے بعض جگہ ایک شعر مزید مل جاتا ہے جو کسی دوسرے نسخے میں نہیں ملتا کہیں الفاظ کا رد و بدل ہے - ہم

نے ان تمام اختلافات کا ذکر فرداً فرداً کرنا غیر ضروری سمجھا ہے اور صرف حوالے پر اکتفا کیا ہے - متن کی درستی میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ معانی ، مطالب اور مفاہیم کے اعتبار سے قرینِ قیاس طریقہ اختیار کیا جائے - میر سوز کا کلام جہاں کہیں سے ملا ہے اس کا تقابل اصل ماخذوں سے کیا گیا ہے - تذکروں میں جو شعر ملے ہیں ان سے بھی متن کی درستی میں مدد لی گئی ہے-

کلیاتِ سودا کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ میر سوز کا بہت سا کلام سودا کے تخلص کے ساتھ اس میں موجود ہے - ممکن ہے قیامِ فرخ آباد و لکھنؤ کے دوران یہ کلام سودا کے کلام کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہو - متن کی درستی میں ان اشعار سے بہت مدد ملی جو ہیں تو سوز کے لیکن سودا سے منسوب کرکے ان کی کلیات میں داخل کر دیے گئے ہیں - سوز کے دیوان میں ہم نے ایسی غزلوں کا خاص طور پر حوالہ دے دیا ہے- شاہ کمال کہتے ہیں کہ دیوانِ سوز کو سب سے پہلے انھوں نے میر سوز کی مرضی اور ایما سے مرتب کیا - اس مجموعے پر سوز نے اپنے ہاتھ سے خط شفیعا میں دستخط کیے تھے - شاہ کمال کا کہنا ہے کہ اس مجموعۂ کلام سے دوسری نقلیں تیار ہوئیں لیکن ہمارے خیال میں شاہ کمال کا مجموعہ مکمل نہ تھا اور بعد میں دوسرا دیوان مزید مرتب ہوا - ان میں بعض غزلیں مشترک ہیں اور بعض غزلیں صرف ایک ہی دیوان میں ملتی ہیں - ان دونوں مجموعوں کی بہت نقلیں کی گئیں - کاتب معمولی استعداد کے تھے لہذا ان نقلوں میں حشو و زواید کا عمل شروع ہو گیا - الفاظ کی تبدیلی اور الٹ پھیر تو معمولی بات ہے بعض جگہ کاتبوں نے اپنی جولانیٔ طبع دکھائی ہے اور اگر کہیں پر کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آیا تو مکھی پر مکھی مارنے کے مقولے پر عمل کیا ہے - ان تمام کوتاہیوں کو دور کرنے اور صحیح طریقہ کار اختیار کرنے میں جو کاوش و کاہش کرنا پڑی وہ ناقابل بیان ہے - اکثر نسخوں میں جہاں کاغذ پھٹ گیا ہے یا کیڑا لگ جانے سے حروف پڑھے نہیں جا سکے ، ایسے مقامات پر قیاسی تصحیح سے کام لیا گیا ہے - یہ تصحیح قوسین کے اندر ہے - جہاں قیاسی تصحیح سے کام نہ چل سکا وہ حصے خالی چھوڑ دیے گئے ہیں -

میر سوز کے دیوان کے متعدد نسخوں میں بعض غزلیں دوبار درج کر لی گئی ہیں - "اردوے معلیٰ" کے میر سوز نمبر میں جو کلام مرتب کیا گیا ہے وہ نسخۂ علی گڑھ اور نسخۂ رام پور پر مشتمل ہے لیکن اس میں کسی عرق ریزی سے کام نہیں لیا گیا۔متعدد غزلیں دوبارہ نقل کر دی گئی ہیں اور اغلاط تو بے شمار ہیں، ہم نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کوئی غزل بلکہ ایک شعر بھی دو مرتبہ نقل نہ ہو سکے، اتنے ضخیم دیوان میں اس امر کا اہتمام کرنے میں بڑی جان کاہی سے کام لینا پڑا - اور ان امور کو ملحوظ رکھنے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ راقم کا مرتبہ دیوانِ میر سوز اپنی موجودہ شکل میں تمام نسخوں سے زیادہ مکمل اور مستند ہے تو ہرگز بے جا نہ ہو گا -

دیوانِ سوز کے تمام نسخے خاصے پرانے ہیں، ان کے کاتب بھی کم سواد ہیں - ان میں سے

بعض کا املا قدیم طرز کا ہے، ہم نے اس دیوان میں جدید املا اختیار کیا ہے - دیوان میں غزل کے ساتھ پرانے نسخوں کے حوالے شامل کر دیے ہیں - جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ اس دیوان کی تدوین کرتے وقت ہم نے پانچ نسخوں کو بنیاد بنایا ہے لہذا ان ہی کے حوالے درج کیے گئے ہیں- جہاں کہیں ایسے اشعار ہیں جو ان نسخوں کے علاوہ کہیں اور سے دستیاب ہوئے ہیں وہاں ان کتابوں کا نام مع صفحات کے درج کر دیا گیا ہے - جن پانچ نسخوں کو ہم نے بنیاد بنایا ہے ان کے نئے مخففات استعمال کیے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے -

۱- نسخۂ فورٹ ولیم کالج مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن - نمبر ۷ کے لیے ب -

۲- نسخۂ انجمن ترقیٔ اردو ہند ، نئی دہلی - نمبر ۸ کے لیے ع -

۳- نسخۂ رضا لائبریری رام پور - نمبر ۹ کے لیے ر -

۴- نسخۂ اردو ترقی بورڈ کراچی - نمبر ۱۰ کے لیے ک -

۵- نسخۂ ڈویژنل پبلک لائبریری خیرپور - نمبر ۱۲ کے لیے خ -

حاشیہ متعلق بہ توضیحات

(۱) ایچ - ایچ ڈاڈ ول - کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ششم مطبوعہ ایس چاند اینڈ کو لکھنؤ - ۱۹۵۸ء صفحات ۹۶ - ۹۹ - ۱۳۲ - ۱۳۶ - ۳۸۹ - ۳۹۳ -

حالاتِ زندگی کا تحقیقی جائزہ

خاندان :

تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت جلال سرخ بخاری بخارا سے ترک وطن کرکے ملتان پہنچے وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بھکر گئے - بدرالدین بن صدرالدین خطیب نے جو بھکر کے رئیسوں میں سے تھے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا (۱) حضرتِ جلال سرخ بھکر سے پھر ملتان چلے گئے ، اور تیس سال اپنے مرشد شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں رہے - حضرت جلال سرخ بخاری حضرتِ زکریا ملتانی کے ارشد خلفاء میں سے تھے - جب ۶۶۱ ھجری مطابق ۱۲۶۲ء میں مرشد کا انتقال ہو گیا تو تبلیغ کی غرض سے اوچ کو اپنا مستقر بنایا - بدرالدین بھکری کی صاحبزادی کا نکاح حضرتِ جلال سے ہوا تھا کچھ عرصے کے بعد وفات پا گئیں - ان کے بطن سے دو صاحبزادے بہاء الدین اور سید محمد غوث تھے - بدرالدین بھکری نے پہلی صاحبزادی کی وفات پر اپنی دوسری صاحبزادی کا عقد بھی حضرت جلال سرخ سے کر دیا ان کے بطن سے احمد کبیر پیدا ہوئے -

احمد کبیر، صدر الدین عارف خلف حضرتِ بہاء الدین زکریا کے مرید اور خلیفہ ہوئے ان کی حفاظت اور ولایت پر حضرت صدرالدین عارف خلیفہ اور سلسلۂ سہروردیہ کے نامور بزرگ شیخ جمال خنداں رو مقرر تھے - حضرت احمد کبیر کے دو صاحبزادے تولد ہوئے ایک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور دوسرے حضرت صدرالدین راجو قتال تھے - حضرت مخدوم ۱۴ شعبان ، ۷۰۷ ھجری مطابق ۸ فروی ، ۱۳۰۸ء بروز جمعرات اوچ میں پیدا ہوئے - آپ کا نام جلال الدین رکھا گیا - سیاحت کے باعث آپ کو جہانیاں جہاں گشت کہنے لگے -(۲) حضرت مخدوم سلسلۂ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے - حج بیت اللہ کے بعد جب آپ دھلی میں حضرت نصیر الدین چراغ دھلی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خرقۂ چشت آپ کو اسی بارگاہ سے ملا -(۳) آپ کے تین صاحبزادے تھے - ناصر الدین محمود ، عبداللہ اور سید محمد جلال الدین کبیر - ان تینوں صاحبزادوں کی والدہ الگ الگ تھیں - سید عبداللہ کی والدہ دھلی کے خاندان سادات سے تعلق رکھتی تھیں - سید عبداللہ کا مزار دھلی میں قدمِ مبارک کے قریب واقع ہے - سید عبداللہ لاولد تھے -

ناصر الدین محمود کی تاریخ پیدائش ۲ ذی قعد ، ۷۴۲ ھجری مطابق ۹ اپریل ، ۱۳۴۲ء اور تاریخ وفات ۱۲ رمضان ، ۸۰۱ ھجری مطابق ۱۸ مئی ، ۱۳۹۹ء ہے - ناصر الدین محمود کے بیٹے سید

برحان الدین تھے - آپ قطبِ عالم گجراتی کے نام سے مشہور ہیں - آپ ۱۴ رجب المرجب ۷۹۰ ھجری کو پیدا ہوئے ابھی دس برس ہی کے تھے کہ والد کی وفات ہو گئی آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے والد کے بچا حضرت صدرالدین راجو قتال نے کی - بعد میں ان ہی کی بدلیت پر قطب عالم اپنی والدہ کے ساتھ آغازِ شباب میں اوچ سے پٹن گجرات تشریف لے آئے (۴) اس وقت گجرات کا حاکم سلطان احمد شاہ تھا - وہ آپ کا بے حد معتقد تھا - اس نے احمد آباد کا سنگ بنیاد حضرت قطب عالم کے دستِ مبارک سے رکھوایا - احمد آباد ۸۱۴ ھجری مطابق ۱۴۱۱ء اور ۸۴۶ ھجری مطابق ۱۴۴۲-۴۳ء کے درمیان آباد ہوا - اس کے بعد حضرت قطبِ عالم بھی پٹن سے احمد آباد تشریف لے آئے - آپ کی وفات ۸۵۷ ھجری مطابق ۱۴۵۳ء میں ہوئی آپ کے گیارہ فرزند تھے جن کے نام یہ ہیں :- (۵)

"۱- سید محمود ۲- سید محمد شاہ عالم ۳- سید احمد ۴- سید حامد ۵- سید صالح ۶- سید امین اللہ ۷- سید محمد زاہد ۸- سید صادق محمد ۹- سید سالم ۱۰- سید راجو ۱۱- سید اصغر -"

میر سوز قطبِ عالم گجراتی کی نسل سے تھے - ان کے والد کا نام میر ضیاء الدین تھا - بخاری خاندان کی وہ شاخ جس سے میر ضیاء الدین تعلق رکھتے تھے، دھلی کب منتقل ہوئی اس کا کچھ پتا نہیں چلتا - صرف اس قدر معلوم ہے کہ میر ضیاء الدین کا مکان محلہ قراول پورہ میں تھا - (۶) اس علاقے کو آج کل قرول باغ کہتے ہیں - میر ضیاء الدین نہلیت متقی اور پرہیز گار انسان تھے انھیں فن سپہ گری اور تیراندازی میں کمال حاصل تھا - (۷) سوز نے انھی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی - میر ضیاء الدین نے طویل عمر پائی خیال ہے کہ وہ ۱۱۰۷ ھجری مطابق ۱۶۹۲ء کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے - ان کا انتقال لکھنؤ میں میر سوز کے صاحبزادے میر مہدی داغ کی وفات سے پہلے ۱۱۹۲ ھجری مطابق ۱۷۷۷ء اور ۱۲۰۵ ھجری مطابق ۱۷۸۹ء کی درمیانی مدت میں ہوا - میر ضیاء الدین کے لکھنؤ میں مرنے اور وہیں دفن ہونے کا ثبوت سوز کے مرثیہ کے اس شعر سے ملتا ہے جو انہوں نے داغ کی موت پر کہا تھا - شعر یہ ہے :-

یہ توقع نہ تھی دل سوز کو مہدی صاحب
جد کی خدمت میں یہاں چھوڑ کے آؤ گے ہمیں

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ میر ضیاء الدین کی عمر پچاسی یا نوے سال تک کی ہو گی -

وطن :

میر سوز دہلوی الاصل تھے - تمام تذکرہ نگاروں نے ان کو دہلوی ہی لکھا ہے - صرف شیفتہ

(۸) اور قطب الدین باطن (۹) لکھنوی لکھتے ہیں - دھلی چھوڑنے کے بعد انہیں متعدد شہروں میں قیام کرنا پڑا - جن میں فرخ آباد اور لکھنؤ کا قیام سب سے طویل ہے - ہر دو تذکرہ نگاروں نے ان کو غالباً اس وجہ سے لکھنوی لکھا ہے کہ ان کی زندگی کے آخری ایام لکھنؤ ہی میں بسر ہوئے - تاہم دھلی میں پیدا ہونے اور عمر کا بڑا حصہ وہاں گذارنے کے لحاظ سے وہ دہلوی ہی ہیں-

ولادت:

کسی تذکرہ نگار نے سوز کا سنہ ولادت نہیں لکھا ہے - بہرحال ان کے سن ولادت کا تعین شاہ کمال کی روایت کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے - شاہ کمال کہتے ہیں کہ میر سوز نے کئی دفعہ ان سے کہا کہ وہ سودا سے عمر میں ایک سال بڑے ہیں - (۱۰) اگرچہ سودا کے سال ولادت میں بھی اختلاف ہے لیکن آزاد نے ان کا سن ولادت ۱۱۲۵ ھجری مطابق ۱۷۱۳ء لکھا ہے - (۱۱) اور یہی صحیح بھی ہے - شاء الحق صاحب نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے - (۱۲) اس اعتبار سے میر سوز کا سن پیدائش ۱۱۲۴ ھجری مطابق ۱۷۱۲ء ہے - نیاز فتح پوری نے بغیر کسی تحقیق کے میر سوز کا سال ولادت ۱۱۴۰ ھجری یا ۱۱۴۵ ھجری لکھ دیا ہے - (۱۳)

نام:

پورا نام محمد میر تھا - (۱۴) چند تذکرہ نگاروں نے نام کی لفظی ترتیب کو بدل دیا ہے - مثلاً علی لطف (۱۵) نے سید میر، یکتا (۱۶) نے شاہ میر محمد ، مبتلا (۱۷) نے میر سید محمد ، حسن (۱۸) نے میر محمدی لکھا ہے -

مذہب:

تذکرہ نگار سوز کے مذہب کے بارے میں خاموش ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے عقیدے میں سخت یعنی شیعیت کی طرف مائل تھے (۱۹) حوالے میں مندرجہ ذیل شعر پیش کیے جا سکتے ہیں :-

زباں سے مرتضیٰ مشکل کشا کی منقبت کہتا — تو مذہب پر نصیری کے علی اللہ میں لکھتا
اگر میں مرثیہ حسنین کا کہتا تو کیا کہتا — بہ سوز سیدہ زہرا فقط اک آہ میں لکھتا

* * * * *

رووئیں نہ کیا کریں کہو پڑھ پڑھ کے سوز ہم　　بخشش ہماری ماتمِ شبیر میں چھپی

اسی کے ساتھ حضرت علی کی شان میں قصیدے کے یہ اشعار ہیں :-

وہ علی جس نے پہلے آدم کو　　غم میں آکر سکھایا استغفار
وہ علی مظہر العجائب ہے　　جس نے موسیٰ کے تئیں دکھائی نار
وہ علی جس نے آتشِ نمرود　　کی تھی حضرت خلیل پر گلزار
وہ علی جس نے جبرئیل کو ہاں　　پہلے سکھلایا بندگی کا شعار
تم نے مارا نصیر کو واللہ　　اور پھر پھر جلایا ستر بار
کاٹ کر تم نے ہاتھ اسعد کے　　پھر لگائے تھے جیسے اول بار
تم نے سلمان کو چھڑایا تھا　　دشتِ ارزن میں سر سے اپنے وار

لیکن ان اشعار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو شیعی مذہب کا پیرو سمجھ لیا جائے - حقیقت یہ ہے کہ آصف الدولہ کے دور حکومت میں سرکاری سطح پر شیعیت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی تھی - ترغیبات کے ذریعے ہزاروں خاندانوں کو شیعہ بنا لیا گیا - جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا اور بڑی حد تک اپنے حقوق سے محروم کر دیے گئے اس امتیازی سلوک سے بچنے کے لیے بہت سے لوگوں نے بظاہر شیعیت اختیار کر لی - میر سوز بھی دربارِ لکھنؤ سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے بھی مصلحتِ وقت سے کام لیا اور عام لوگوں کے احساسات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان ہی خیالات اور عقاید کو بیان کیا جو عوام الناس کے تھے - اس قسم کے اشعار کے برعکس ان کے بہت سے دیگر اشعار سے مترشح ہے کہ وہ حنفی المذہب ، صوفی مشرب انسان تھے - ان کا خاندان سہروردی اور چشتی سلسلوں سے تعلق رکھتا تھا - اپنے عقاید کے اعتبار سے وہ سنی مسلمان تھے ان کا ایک شعر ہے :-

خلافت آن کر اے سوز بولی چوتھے درجے پر
جو چاہو آخرت اپنی تو حضرت شاہ کو پوجو

اس شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ حضرت علی کو خلفائے راشدین میں چوتھے درجے پر ہی تسلیم کرتے تھے - ایک بات قابل غور یہ ہے اور اس سے ہماری اس رائے کو تقویت بھی پہنچتی ہے کیوں کہ نسخۂ علی گڑھ اور نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں یہی شعر اس طرح ملتا ہے :-

خلافت سوز سچی آ کے بولی چوتھے پوجے پر
جو چاہو تم بنو صدیق حضرت شاہ کو پوجو

شاید یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کسی خاص وجہ سے شعر میں ترمیم ضروری سمجھی گئی - سوز کے مذہب کے بارے میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ مذہب اثنائے عشری میں ایک عقیدہ امام

غائب کا ہے - سنی عقیدے کی رو سے امام مہدی کا ظہور احادیث سے ثابت ہے - (۲۰) "عن ام سلمۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، یقول المھدی من عترتی من اولاد فاطمۃ -" (حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ مہدی میرے خاندان اور اولاد فاطمہ سے ہو گا) اور "عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المھدی منی اجلی الجبھۃ اغنی الانف یملأ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً یملک سبع سنین-" (حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد میں سے ہو گا اس کی روشن کشادہ پیشانی بڑی لمبی ناک درمیان میں اونچی اور باریک نتھنوں والا ہو گا - زمین کو انصاف اور عدل سے اس طرح بھر دے گا جیسی وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی تھی جو سات سال حکومت کرے گا -)

دوسری حدیث کو سامنے رکھیے اور سوز کا مندرجہ ذیل قطعہ پڑھیے :-

جو صاحبِ دل ، دل سے ہے آگاہ — کیا بات اس کی ہے واہ وا واہ
اے غافلو تک تم چونک بیٹھو — پردے سے نکلا ہے وہ مرا شاہ
وہ شاہ جس کی عہدِ نبی سے — تکتے گئے ہیں تشریف کی راہ
میں جھوٹ ہرگز کہتا نہیں ہوں — اب کوئی دم کو نکلے ہے وہ ماہ
ظلم و ستم سب ہو جائے گا محو — باقی رہے گا اللہ ہی اللہ
ہادی وہی ہے مہدی وہی ہے — صاحب وہی ہے ، ہے سب کا دل خواہ
اے سوز تو کیا کہتا ہے چپ رہ — تجھ کو ہے مطلوب ..... کا کیا جاہ
سب لوگ تجھ کو جھوٹا کہیں گے — کس واسطے ہیں سارے یہ گمراہ
بس چپ سے بہتر اب کچھ نہیں ہے — خاموش ہی رہ واللہ باللہ

اس قطعے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ظہور امام مہدی کے قائل تھے اور حدیث شریف کے فرمان کے بموجب ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مہدی اس دنیا سے ظلم و ستم مٹا دیں گے اور ہر طرف خدا کی حاکمیت اور برتری کا سکہ جاری ہو گا- اس قطعے میں وہ ان لوگوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں جو ظہورِ مہدی کے قائل نہیں ہیں - آخری تین اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خیالات کا اظہار برملا کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور اپنے اس عقیدے کا اعلان کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف سمجھتے ہیں - یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قطعہ اس زمانے کا ہے جب وہ لکھنؤ میں قیام پذیر ہوں گے -

اب رہ گئے وہ اشعار جن میں اہلِ بیت کے مناقب اور فضائل بیان کیے گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہر صاحبِ ایمان مسلمان مدحِ اہل بیت باعثِ شرف اور وجہِ سعادت گردانتا ہے - حضرت

علی کی مدح صوفیائے کرام نے نہایت والہانہ انداز میں کہی ہے - بالخصوص قادریہ ، چشتیہ ، اور سہروردیہ سلسلوں کا تعلق حضرت علی ہی سے ہے - لہٰذا سوز کے وہ تمام اشعار جو مناقب و فضائلِ اہلِ بیت میں ہیں اسی تعلق اور کیفیت کے آئینہ دار ہیں جو صوفیائے کرام کو خاندان رسول کریم سے رہی ہے - جہاں جہاں پر ایسے خیالات ہیں جن میں شدت پائی جاتی ہے یا ایسے واقعات کا ذکر ہے جو مستند سمجھے نہیں جاتے ان کے لیے صرف یہی کہنا کافی ہے کہ وہ زمانے اور ماحول کے عام رنگ کو دیکھتے ہوئے کہے گئے ہیں -

مسلک:

شاہ ولی اللہ محب لکھتے ہیں کہ میر سوز سید محمد زاہد دہلوی کے مرید تھے - (۲۱) جو میر سید محمد قنوجی (۲۲) کی اولاد میں سے تھے وہ نواب احمد خاں بنگش کے زمانے میں دہلی سے فرخ آباد پہنچے اور محلہ بنگش پورہ میں آباد ہو گئے - ہر خاص و عام آپ کا معتقد تھا - مزاج میں کمال استغنا تھا۔اہل دنیا کی طرف ملتفت نہیں ہوتے تھے آپ کی وفات ۱۷ محرم ، ۱۱۸۴ ھجری مطابق ۱۳ مئی ، ۱۷۷۰ ، کو ہوئی - سید محمد زاہد سے بیعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سوز چشتیہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے - کیوں کہ سید محمد زاہد اسی مسلک کے پیرو تھے - ویسے سوز کا اپنا خانوادہ سہروردیہ مسلک کا پیرو تھا- حضرت قطبِ عالم کے صاحبزادے شاہِ عالم کو چشتیہ سلسلے کی خلافت بھی حاصل ہو گئی تھی - گویا سوز کے اپنے عالی مرتبت بزرگ چشتیہ اور سہروردیہ مسلک کے نامور مبلغ تھے -

تعلیم:

تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی اگرچہ یہ نہیں معلوم کہ آپ نے کن اساتذہ سے فیض حاصل کیا - تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ مروجہ تعلیم سے بہرہ ور تھے - وہ عربی فارسی کی استعداد رکھتے تھے۔اردو کلام کے علاوہ ان کا فارسی کلام بھی چند غزلوں پر مشتمل ہے - نظم کے ساتھ فارسی نثر بھی اچھی لکھتے تھے - علی ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے میر سوز سے ان کا نمونۂ کلام داخل تذکرہ کرنے کے لیے منگوایا تھا - انھوں نے ان کے اشعار کے ساتھ نثر کا نمونہ بھی اپنے تذکرے میں درج کیا ہے-

انشا پردازی:

میر سوز کی انشاپردازی کی سب ہی معاصر تذکرہ نگاروں نے تعریف کی ہے - قائم (۲۳) ان کو مطلب نویس بے نظیر، شوق (۲۴) انشاء پردازی میں کامل مہارت رکھنے والا، میر حسن منشی بے نظیر کہتے ہیں۔ میر حسن ہی مزید لکھتے ہیں کہ ان کی نثر گلشنِ حسنِ دلبرانِ تازہ ہے وہ معجز رقم اور شیریں رقم تھے۔ میر حسن اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ نثر نگاری کی تعریف میں خود بھی جولانی طبع دکھاتے ہیں اور بقول ان کے " رشحاتِ مدادِ قلمش از دریائے اعزاز، کلک عنبر بارش از بوستانِ اعجاز " کی صفات سے متصف تھے (۲۵) مبتلا (۲۶) ان کو از مشاہیر نکتہ رساں قرار دیتے ہیں، علی ابراہیم نے ان کی نثر کو اپنے تذکرے میں بطور نمونہ درج کیا ہے - (۲۷)

> " میر سوز شخصے است کہ ہیچ کس را از حلاوتے جز سکوت و اکراہ حاصل نہ شود - این نیز از قدرت کمال الہٰی است کہ ہر کے بلکہ خار وخسے نیست کہ بکار چند بیاید - پس منکر سے سوال کند کہ ناکارۂ محض نیفتادہ است - این ست کہ نامش سوختنی است -"

خوشنویسی:

مغل دورِ حکومت میں خوشنویسی کے فن کو بہت عروج حاصل ہوا اور خوشنویسوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا - میر سوز اس فن کے ماہر تھے - قائم کہتے ہیں کہ وہ خطِ شکستہ خوب لکھتے تھے (۲۸) - شوق (۲۹) خوش نویس اور ہفت قلم، میر حسن (۳۰) خوش نویس دل پذیر بتاتے ہیں - مبتلا (۳۱) کا قول ہے کہ وہ خوشنویسی میں ید بیضا رکھتے تھے - مصحفی نے (۳۲) لکھا ہے کہ میر سوز خطِ نستعلیق و شفیعا میں بڑی مہارت رکھتے تھے - خوب چند ذکا (۳۳) کا بھی یہی قول ہے - علی لطف (۳۴) انھیں فن شفیعا نویسی میں دست رسا بتاتے ہیں - سرور (۳۵) کہتے ہیں کہ خطِ نستعلیق اور شفیعا خوب لکھتے تھے - شاہ کمال (۳۶) " خوشنویسی، شفیعا، نستعلیق وغیرہ قلم " کی صفات بیان کرتے ہیں - ابن امین اللہ طوفان (۳۷)، یکتا (۳۸)، شیفتہ (۳۹)، گارسیں دتاسی (۴۰)، کریم الدین (۴۱)، سعادت خاں ناصر (۴۲)، وغیرہ سب ہی نے خوشنویسی کے کمال کا بطور خاص ذکر کیا ہے -

موسیقی:

شیخ محمد قیام الدین قائم (۴۳) نے لکھا ہے کہ میر سوز کسی قدر علم موسیقی سے بھی آگاہ تھے - قائم کے علاوہ کسی دوسرے تذکرہ نگار نے اس باب میں کچھ نہیں لکھا ہے - قائم کا میر سوز

سے جو تعلق تھا اس بنا پر اس کی شہادت مستند سمجھی جائے گی -

فنِ سپہ گری:

میر سوز جس عہد سے تعلق رکھتے تھے اس میں جسمانی قوت ، شجاعت اور بہادری کی بہت قدر کی جاتی تھی - میر سوز نے اس فن میں کمال حاصل کیا تھا - وہ باکمال قادر انداز تھے - شوق (۳۴) ان کو جوانِ قابل تیر انداز لکھتے ہیں - میر حسن (۴۵) ، مبتلا (۴۶) مصحفی (۴۷) ، ذکا (۴۸) علی لطف (۴۹) ، سرور (۵۰) ، شاہ کمال (۵۱) ، یکتا (۵۲) ، شیفتہ (۵۳) ، گارسین دتاسی (۵۴) ، اسپرنگر (۵۵) اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کی تیر اندازی اور کمان داری کی تعریف کی ہے - نصر اللہ خان خویشگی (۵۶) لکھتے ہیں کہ وہ بہت قوی بازو تھے اور دس قوی مرد بھی ان کی کمان زہ نہ کر سکتے تھے - میر حسن (۵۷) نے لکھا ہے کہ سوز نے فن تیر اندازی اور کمانداری پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا - یہ رسالہ اب ناپید ہے - انھیں ورزش کا بہت شوق تھا - بلا ناغہ ورزش کرتے تھے ان کا بہترین کسرتی بدن تھا اور جسمانی طاقت غیر معمولی طور پر زیادہ تھی - میر سوز بہترین شہ سوار تھے ، مصحفی (۵۸) ، شاہ کمال (۵۹) ، یکتا (۱۶۰) ، گارسین دتاسی (۶۱) ، سعادت خان (۶۲) ناصر نے ان کو گھوڑے کی سواری میں یکتائے روزگار لکھا ہے - اسپرنگر (۶۳) ان کو مردانہ کھیلوں کا ماہر قرار دیتے ہیں - آزاد (۶۴) کی روایت ہے کہ سوز نے سپہ گری کا فن اپنے والد میر ضیاء الدین سے حاصل کیا تھا - کسی دوسرے تذکرے سے اس قول کی تصدیق نہیں ہوتی ہے - معلوم نہیں آزاد کی اس روایت کا ماخذ کیا ہے -

علمِ مجلسی:

اس زمانے میں امراء و روساء کی محفلوں میں شریک ہونے کے لیے ضروری تھا کہ آدابِ مجلسی سے واقفیت ہو - ان محفلوں میں وہی شخص بار پا سکتا تھا جو مروجہ علوم سے پوری طرح آراستہ پیراستہ ہو اور ادب و شائستگی ، عادات و اطوار میں پسندیدہ ہو - قدرت نے میر سوز میں یہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں تذکرہ نگاروں نے اُن کی اِن خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے - مصحفی کہتے ہیں کہ وہ ملوک و سلاطین کی صحبت میں رہتے تھے (۶۵) ذکا نے علمِ مجلسی میں ماہر کہا ہے (۶۶) قاسم نے لکھا ہے کہ ہمیشہ امیرانِ نامدار کی صحبت میں رہتے تھے - (۶۷) یکتا کا قول ہے کہ وہ صحبتِ ملوک و سلاطین کے آداب سے واقف تھے - (۶۸) کریم الدین کی بھی یہی روایت ہے کہ وہ ہمیشہ امیروں کی صحبت میں رہتے تھے - (۶۹) شاہ کمال نے لکھا ہے کہ وہ لطیفہ گوئی میں

کمال رکھتے تھے - (۷۰)

فنِ شاعری:

تذکروں سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ سوز نے کس عمر سے مشغلۂ شاعری شروع کیا - تاہم کچھ داخلی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے - انھوں نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جس میں شاعری زندگی کا معمول بن چکی تھی - اس لیے انھیں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی ہو گی ان کے تمام دوست شاعر تھے - دوستوں کی صحبت کا اثر ناگزیر تھا ، میر سوز کا اپنا قول یہ ہے کہ انھیں شاعری سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا - البتہ وہ اپنے دوستوں کی ادبی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کے کلام کو ذوق و شوق سے سنتے اور محظوظ ہوتے تھے - غالباً دوستوں میں صرف میر سوز ہی ایسے تھے جو شعر نہیں کہتے تھے ، ان کے دوستوں نے ان کو کچھ کہنے پر مجبور کیا - جب اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو انھوں نے بھی عام بول چال میں شعر کہے میر سوز کا اپنا کہنا یہ ہے کہ شاعری کی تحریک مرزا سودا کی بدولت ہوئی - بہرحال میر سوز نے شاعری کس طرح شروع کی اس کا ذکر انھی کی زبان سے بھلا لگتا ہے :-

صاحبو ! تم سے راست کہتا ہوں — شاعری سے نہیں مجھے نسبت
یار آپس میں بیٹھتے تھے کبھی — دل خوشی کو وہ بیٹھتے تھے جگت
میں انھوں میں تھا سب سے بیگانہ — وہ دلاتے مجھے بہت غیرت
کہ تجھے بات بھی نہیں آتی — ہم سے بڑھائی کس لیے صحبت
یا تو ہم سے کیا کرو باتیں — یا ہمیں جانتے ہو بے غیرت
تب میں ناچار ہو کے کہنے لگا — انھی باتوں کو شعر کی صورت
بسکہ موزون تھے وہ صاحب لوگ — مجھ کو بھی اتنی ہو گئی قدرت
کہ لگا کرنے بات کو موزوں — شاعروں میں ملی مجھے شرکت

ورنہ اس منہ پہ شاعری توبہ
یہ بھی مرزا رفیع کی دولت

ہمارے خیال میں شاعری کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی ہی سے شروع ہوا ہو گا اور انہیں بیس سال کی عمر میں وہ اس لائق ہو چکے تھے کہ اساتذہ کے سامنے مشاعروں میں اپنا کلام سنا سکیں - اساتذہ میں اس وقت شاہ مبارک آبرو کا سکّہ چل رہا تھا - شروع میں سوز نے انھی کا رنگ اختیار کیا - چناں چہ ایک شعر میں کہتے ہیں :-

آبرو کے طور پر کہنے لگا ہے سوز شعر

طبع میں جودت جو آئی اس طرف کو چل دیا

ان کی بیشتر غزلیں آبرو کی زمین میں ہیں - آبرو کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

مگر تم سے ہوا ہے آشنا دل
کہ ہم سے ہو گیا ہے بے وفا دل

اسی زمین میں سوز کی غزل اس مطلع کے ساتھ ہے :-

کبھی کا لے گیا وہ دل ربا دل
نہ تھا گویا کبھو یہ آشنا دل

اسی زمین میں شاہ حاتم کی بھی ایک غزل ہے اور اس کا مطلع یہ ہے :-

یکایک ہو گیا ایسا جدا دل
نہ تھا گویا کبھو یہ آشنا دل

اپنی غزل پر حاتم نے یہ یادداشت دی ہے " زمین شاہ مبارک آبرو در ۱۱۴۴ ہجری " (مطابق ۱۷۳۱ء) یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ غزل کسی طرحی مشاعرے کی ہے ۔اس طرح دو باتیں سامنے آتی ہیں پہلی یہ کہ سوز تقریباً انیس بیس سال کی عمر میں باقاعدہ شعر کہنے لگے تھے - دوسری، سوز کی پیدائش ۱۱۲۴ ہجری مطابق ۱۷۱۲ء میں ہوئی حاتم کی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طرحی غزلیں ۱۱۳۳ ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں کہی گئیں ۔اس طرح ہمارا یہ کہنا کہ سوز کو انیس بیس سال کی عمر میں فنکارانہ پختگی حاصل ہو گئی تھی قرینِ قیاس ہے -

سوز نے کس سے مشورۂ سخن کیا اس کا جواب بھی کسی تذکرے میں نہیں ملتا یہاں پر بھی سوز خود ہماری رہنمائی کرتے ہیں وہ قدیم شاعروں میں غالباً تنہا شاعر ہیں جنھوں نے کسی کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسے دور میں جب کہ بغیر استاد کے شاعر کو ساقط الاعتبار سمجھا جاتا تھا سوز کا اپنے آپ کو شاعر منوا لینا بلکہ استادِ زمانہ بن جانا نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے - انھوں نے صرف اپنے ماحول سے سیکھا اور ان کے ذوقِ سلیم نے ان کی رہنمائی کی - وہ خود کہتے ہیں :-

نہ شاگردی کسی کی کی ، نہ فنِ شعر کو سمجھا
یہ سیدھی باتیں سیکھا سوز بھی اس قدِّ موزوں سے

ایک دوسری جگہ بھی اپنے وجدانِ صحیح کو اپنا استاد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :-

کون ایسا سوختہ ہے جس کو کہیے میر سوز
کون ایسا ہے کہ اپنا آپ ہی استاد ہو

با ایں ہمہ انھوں نے کبھی شاعرانہ تعلّی سے کام نہیں لیا ، اور نہ خود کو پیشہ ور شاعروں میں شامل کیا -

سوز کو شاعروں سے کیا نسبت
دیکھیو صاحب اس کی گفتگو مت
سوز تو باتیں بناتا ہے اسے کیا شعر سے
جو برائے بیت شاعر ہیں وہی استاد ہیں

* * * * *

عزیزو سوز کو نسبت نہیں کچھ شعر کہنے سے
پھر ایسے کو برا کہیے حماقت ہے فضولی ہے

سوز کو شاعری کی ترغیب سودا نے دی شعر گوئی انھوں نے اپنے ماحول سے سیکھی لیکن فطری طور پر وہ خواجہ میر درد سے قریب نظر آتے ہیں - سوز اگرچہ ان سے عمر میں سات سال بڑے تھے لیکن دونوں کا فکری شعور بڑی مطابقت اور مماثلت رکھتا ہے - انھیں سودا کی طرح خواجہ صاحب سے بھی بہت گہرا تعلق خاطر تھا - ایک جگہ کہتے ہیں :-

قیس یا فرہاد یا سودا ہے یا ہے درد و سوز
ایک ہیں آپس میں ان میں کون سا بیگانہ ہے

تخلّص:

میر سوز نے شروع میں میر تخلّص اختیار کیا تھا - یہ تخلص وہ ۱۱۶۵ ھجری مطابق ۱۷۵۲ء تک اختیار کرتے رہے - میر تقی میر(۷۱) اور سید فتح علی حسینی نے (۷۲) اپنے اپنے تذکروں میں سوز کا ذکر میر تخلص کے تحت کیا ہے - قدرت اللہ شوق ۱۱۶۸ ھجری مطابق ۱۷۵۵ء میں تخلص کی تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں - (۷۳) قیام الدین قائم تخلص کی تبدیلی کی وجہ بھی بتاتے ہیں - وہ اپنے تذکرے ۱۱۶۸ ہجری مطابق ۱۷۵۵ء میں لکھتے ہیں کہ فی الحال انھوں نے میر تخلص رکھا تھا ، لیکن میر تقی میر سے نزاع کے باعث سوز تخلص رکھ لیا- اس کا مطلب یہ ہوا کہ تخلص کی تبدیلی ۱۱۶۵ ھجری (مطابق ۱۷۵۲ء) اور ۱۱۶۸ ھجری (مطابق ۱۷۵۵ء) کے درمیانی عرصے میں ہوئی - لچھمی نرائن شفیق کو تخلص کی تبدیلی کا علم ۱۱۷۵ ھجری مطابق ۱۷۶۲ء تک نہ ہو سکا وہ ان کا ذکر میر کہہ کر کرتے ہیں - (۷۵) میر سوز ایک شعر میں اپنے تخلص کی تبدیلی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں

تب نہ موئے ہزار حیف کہتے تھے جبکہ میر میر
اب جو کہو ہو سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

نسّاخ کی یہ روایت غلط ہے کہ جب میر تقی میر لکھنؤ گئے تب انھوں نے سوز تخلص کیا

(۷۶) سید علی حسن خاں کہتے ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ آکر سوز تخلص کیا - (۷۷) نورالحسن خاں بھی یہی کہتے ہیں - (۷۸) لیکن یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں -

میر تقی میر کے تذکرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ دوسرا کوئی شاعر بھی میر کے تخلص سے مشہور ہو وہ لکھتے ہیں:-

"ہرچند طرز علاحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من نصف دلم ازو خوش است -"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میر سوز، میر تقی میر سے تقریباً دس سال عمر میں بڑے تھے - انھوں نے میر تقی میر سے پہلے میر تخلص کا انتخاب کیا تھا اس طرح ان کو تقدم حاصل تھا - پھر انھوں نے کس وجہ سے پہلا تخلص ترک کرکے سوز اختیار کیا - ہمارا خیال ہے کہ میر تقی میر نے جب میر تخلص رکھا تو لوگوں کو التباس ہوا ہو گا - اور جب میر تقی میر نے تخلص پر قبضہ کر ہی لیا تو میر سوز نے اپنی نیک مزاجی اور صلح جوئی کی عادت کے زیر اثر پہلا تخلص ترک کر دیا۔ آزاد (۷۹) اور صفیر بلگرامی (۸۰) کے اس بیان سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے:-

"کسی شخص نے سوز سے آکر کہا کہ حضرت ایک شخص آپ کے تخلص پر آج ہنسے تھے - اور کہتے تھے کہ سوز کیا تخلص رکھتا ہے - ہمیں پسند نہیں۔ سوز نے کہنے والے کا نام پوچھا۔ اس نے بعد بہت انکار اور اصرار کے بعد بتایا۔ معلوم ہوا کہ شخص موصوف بھی مشاعرے میں ہمیشہ آتے ہیں - میر سوز مرحوم نے کہا کہ خیر کچھ مضائقہ نہیں اب کے صحبت کے مشاعرے میں تم مجھ سے برسر جلسہ یہی سوال کرنا - چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور بآواز بلند پوچھا حضرت آپ کا تخلص کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ صاحب قبلہ فقیر نے تخلص تو میر کیا تھا مگر وہ میر تقی میر صاحب نے پسند فرمایا - فقیر نے خیال کیا کہ ان کے کمال کے سامنے میرا نام نہ روشن ہو سکے گا - ناچار سوز تخلص کیا (شخص مذکور کی طرف اشارہ کرکے کہا) سنتا ہوں یہ صاحب گوز کرتے ہیں - مشاعرے میں عجیب قہقہہ اڑا - لکھنؤ میں ہزاروں آدمی مشاعرے میں جمع ہوتے تھے - سب کے کان تک آواز نہ گئی تھی - کئی کئی دفعہ کہوا کر سنا ادھر شخص موصوف، ادھر میر تقی میر صاحب دونوں چپ بیٹھے سنا کیے -"

انشاد:

عربی زبان میں انشاد فن شعر خوانی کو کہتے ہیں - اور شعرائے عرب میں اس کا خاصا

رواج تھا - شعر کو اس طرح پڑھنا کہ مضمون کی تصویر کھنچ جائے بہت مشکل کام ہے - اردو شاعری میں انشاد کے بانی میر سوز ہیں - وہ شعر اس طرح پڑھتے تھے کہ مضمون کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی - انھوں نے اس فن میں ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ مشہورِ زمانہ ہو گئے - ہر تذکرہ نگار نے ان کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا ہے - قدرت اللہ شوق کہتے ہیں (۸۱) :-

" شعر کو ایسے نادر انداز سے پڑھتے ہیں کہ ہاتھ آنکھ بلکہ تمام اعضا حرکت میں آجاتے ہیں اور نادان لوگ اس جانب متوجہ ہو جاتے ہیں -"

میر حسن (۸۲) کی رائے ہے :-

" ان کی زبان سے اشعار سننا بہ مقابلہ خود پڑھنے کے ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا -"

مصحفی (۸۳) کا قول ہے :-

"کوئی دوسرا ان کی طرح اشعار نہیں پڑھ سکتا -"

علی لطف (۸۴) لکھتے ہیں :-

شعر کے پڑھنے میں صاحبِ طرز خاص تھے -"

سرور (۸۵) بیان کرتے ہیں :-

" شعر اس فصاحت اور نزاکت سے پڑھتے تھے کہ دوسرے سے ممکن نہ تھا -"

قاسم (۸۶) اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" ان کی طرح کوئی شخص شعر نہیں پڑھ سکتا - اگرچہ بعض لوگوں نے ان کی پیروی کرنا چاہی لیکن ان کے انداز کو اختیار نہ کر سکے -"

یکتا (۸۷) اعتراف کرتے ہیں :-

" یقیناً ایسی نفیس طرز ایجاد کی تھی کہ اس کی تقلید ممکن نہیں -"

کریم الدین و فیلن (۸۸) اقرار کرتے ہیں :-

" شعر خوانی اس کو ایسی آتی تھی کہ لوگ بہ سبب تتبع گفتار اس کے چالاکیاں کیا کرتے تھے پر اس کے برابر ادا نہ کر سکتے تھے -"

شیفتہ (۸۹) کا قول ہے :-

" پسندیدہ طرز سے اشعار پڑھنے میں بہت مشہور تھے -"

محسن (۹۰) بیان کرتے ہیں :-

" جو مضمون شعر میں ہوتا تھا اس کی صورت بنا کر دکھا دیتے تھے -"

آزاد اور صغیر بلگرامی نے ان کے شعر پڑھنے کے کچھ واقعات لکھے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں -

الحاصل یہ کمیٹی میر تقی میر کی تھی، خاطر مدارات کہ شان شرفا ہے کی گئی اور کہا کہ آپ (سوز) بہت دیر میں تشریف لائے۔ بہرحال اٹھتے بیٹھتے کچھ اور تماشا سہی - میر سوز صاحب اس نہ کو سمجھ گئے یعنی انھوں نے پڑھنے کا طریقہ ایسا ایجاد کیا تھا کہ مضمون کی شکل بن جاتی تھی - مثلاً شمع کا مضمون باندھتے تھے تو پڑھتے وقت ایک ہاتھ سے شمع اور دوسرے ہاتھ کی اوٹ سے وہیں فانوس تیار کرکے بتاتے۔ اگر مرنے کا مضمون ہوتا تو لیٹ جاتے اور مردہ بن جاتے لوگوں کو تماشا ہو جاتا - اسی پر میر صاحب نے تماشا کا لفظ کہا - میر سوز صاحب نے اس کے جواب میں کہا، اچھا دیکھیے کیا تماشا دکھاتا ہوں، مجھے اجازت ہے - میر صاحب نے فرمایا بسم اللہ پہلے میر سوز صاحب نے قطعہ پڑھا :-

او مارِ سیاہ زلف سچ کہہ بتلا دے دل جہاں چھپا ہو
کنڈلی تلے دیکھیو نہ ہووے کاٹا نہ ہنی ترا بُرا ہو

پہلے مصرع پر ڈرتے ڈرتے جھکے گویا کنڈلی تلے دیکھنے کو جھکے اور جس وقت کہا " کاٹا نہ ہنی " دفعۃً ہاتھ کو چھاتی سے مسوس کر ایسے بے اختیار لوٹ گئے کہ لوگ گھبرا کر سنبھالنے کو کھڑے ہو گئے - ان میں، با ایں تمکنت اور عالی دماغی، میر صاحب بھی شریک ہوئے - جب میر سوز اٹھ بیٹھے تو میر صاحب کو دیکھ کر کہا، تسلیم حضور نے تماشا دیکھا - اس تماشے پر میر صاحب مسکرا دیے اور بولے، اسی خوبی پر پاؤ شاعر ہو۔ میر سوز نے باکراہ تسلیم کی - اس کے بعد یہ اشعار پڑھے :-

بوقتِ نزع بولا سوز رو کر سنا کر اپنے سب خورد و کلاں کو
سبھا کے صاحبو! صاحب سلامت چلے ہم سیدھے اب دارالاماں کو
یہ اپنا جھونپڑا رکھ او پڑوسن نہ جاویں کیا کریں دیکھا جہاں کو

یہ قطعہ اس طریقے اور انداز سے پڑھا کہ لوگ جو پہلے سے محو ہو رہے تھے زیادہ محو ہوئے اور اس کے مزے میں ایسے بے خود ہوئے کہ میر سوز صاحب نے جریب سنبھال کر اپنے گھر کی راہ لی اور سبھا کی سبھا اس طرح سماں میں الجھی رہی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی - واہ اثر اس کو کہتے ہیں۔ میر صاحب نے بھی کچھ ضروری باتیں کہہ کر فرمایا بس صاحبو بس - یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جلسہ برہم ہوا مگر لوگوں کے دلوں پر میر سوز کے پڑھنے کا مزا ایسا چھایا ہوا تھا کہ سب وجد کی حالت میں گھر پہنچے - (۱۹۱)

آزاد کہتے ہیں تم بھی خیال کرکے دیکھ لو ان کے اشعار اپنے پڑھنے کے لیے ضرور حرکات و انداز کے طالب ہیں، چنانچہ یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا تھا اور عجب انداز سے پڑھا گیا

تھا(۹۲):-

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے　　سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفلِ پری رو　　ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

چوتھا مصرع پڑھتے پڑھتے وہیں زمین پر گر پڑے،گویا پری زادوں کو دیکھتے ہی دل بے قابو ہو گیا - اور ایسے نڈھال ہوئے کہ ارے رے کہتے کہتے غش کھا کر بے ہوش ہو گئے (۹۳) میر سوز اپنی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

پڑھتا ہے شعر سوز کے یوں تو سبھی جہاں
اس کا سا لیک صاحبو لطفِ بیاں کہاں

ملازمت:

اندازاً کہا جا سکتا ہے کہ میر سوز نے بیس بائیس سال کی عمر سے ملازمت کی ہو گی - تیر اندازی ، سپہ گری ، اور شہ سواری کے فنون میں مہارت رکھنے کے باعث انھوں نے فوجی ملازمت پسند کی اور محمد شاہی فوج میں شامل ہو گئے۔اگر شاہی فوج میں شمولیت ۱۱۴۵ ہجری مطابق ۳۳ - ۱۷۳۲ء یا ۱۱۴۷ ہجری مطابق ۱۷۳۴ء میں ہوئی تو وہ نادر شاہ کے ہنگامے اور بعد میں ابدالی سے جنگ کرنے والی فوج میں شامل ہوں گے- محمد شاہ اور احمد شاہ کے زمانے میں وہ شاہی توپ خانے میں کسی اچھے عہدے پر مامور تھے اور برسنائے عہدہ و مرتبہ قلعۂ معلیٰ میں حاضر رہا کرتے تھے (۹۴)

شادی:

اس زمانے میں سپاہی پیشہ لوگ عام طور پر شادیاں دیر سے کیا کرتے تھے - قرینِ قیاس یہ ہے کہ میر سوز نے ملازمت کے بعد شادی کی ہو گی اور محتاط اندازے کے بموجب تیس سال کی عمر میں شادی ہوئی تو گویا ۱۱۵۵ ہجری مطابق ۱۷۴۲ء میں انھوں نے ازدواجی زندگی شروع کی ہو گی سوز کی شادی کا تعین کرنے میں ہم نے ان کے بیٹے داغ کے سنہ وفات ۱۲۰۴ ہجری مطابق ۱۷۸۹ء کو بنیاد بنایا ہے اس سے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا اندازہ حقیقت سے قریب ہے-

نقلِ وطن:

دہلی میں سوز بہت باعزت طریقے سے زندگی بسر کر رہے تھے- وہ شاہی توپ خانے میں

افسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے - شہر میں اپنی خاندانی وجاہت کی وجہ سے بہت احترام سے دیکھے جاتے تھے - ادبی اور علمی حلقوں میں بھی ان کا اونچا مقام تھا - لیکن حالات نے پلٹا کھایا - رمضان ، ۱۱۶۷ ہجری مطابق جون ، ۱۷۵۴ء میں عماد الملک نے احمد شاہ کو اندھا کر دیا - دہلی کے حالات خراب ہو گئے - بادشاہ کے متوسلین میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا- شاہی کارخانے بند ہو گئے اور معاش کے وسائل جاتے رہے - اس حادثے کے بعد فغاں جو بادشاہ کے کوکہ تھے دہلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے - تقریباً اسی زمانے میں میر سوز نے بھی رختِ سفر باندھا - ایک بات یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ سودا اور سوز میں گہری رفاقت تھی ، سودا کا ممدوح عمادالملک دہلی کے سیاہ و سفید کا مالک تھا پھر سودا نے سوز کے لیے کوئی بندوبست کیوں نہ کیا - ہمارا خیال ہے چوں کہ سوز شاہی توپ خانے میں ملازم تھے- اور توپ خانہ شجاع الدولہ کے ماتحت تھا ، شجاع الدولہ اور عماد الملک میں اچھے تعلقات نہ تھے اس لیے عماد الملک نے یا تو پرانے عملے کو برخاست کرکے اپنے اعتماد کے آدمی مقرر کیے یا پھر تنخواہ کی عدم ادائیگی (جو اس وقت عام بات تھی) کی وجہ سے توپ خانے کا عملہ منتشر ہو گیا - یا پھر سوز حالات سے اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ دہلی کی زمین انھیں تنگ معلوم ہونے لگی -

سوز دہلی سے ۱۱۶۹ ہجری مطابق ۵۶-۱۷۵۵ء کے ابتدائی حصے میں روانہ ہوئے - دہلی سے روانگی کا تعین ہم نے شاہ حاتم کے دیوان کی مدد سے کیا ہے - شاہ حاتم کے دیوان میں ان کی ایک غزل ہے جو انھوں نے سوز کے مصرع طرح پر کہی ہے - اس کا مقطع ہے :-

یہ مصرعۂ سوز سن کے حاتم ، کہے ہے ناصح سے اے عزیزو
امیدِ بخشش ہے جب سے ہم کو ، کیے ہیں ہم نے گناہ لاکھوں

حاتم ہی کی ایک غزل سودا کے مصرع طرح پر موجود ہے جس کا ایک شعر ہے :-

کہنے لگا کہ مصرعۂ سودا نہیں سنا
جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

اس زمین میں میر ، مصحفی وغیرہ کی غزلیں بھی ہیں - یہ غزلیں یقیناً کسی طرحی مشاعرے کے لیے کہی گئی تھیں - ان دونوں غزلوں پر حاتم نے لکھا ہے " در زمینِ میر سوز " اور " در زمین محمد رفیع سودا " سنہ تصنیف ۱۱۶۹ ہجری مطابق ۵۶-۱۷۵۵ء دیا گیا ہے - اس کے بعد سے حاتم کے دیوان میں کوئی مشترک طرحی غزل نہیں ملتی - یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ سوز ۱۱۶۹ ہجری مطابق ۵۶-۱۷۵۵ء کے شروع میں دہلی سے فرخ آباد کے لیے روانہ ہوئے ہوں گے - محمد حسین آزاد نے یہ بالکل غلط لکھا ہے کہ شاہ عالم کے زمانے میں ۱۱۹۱ ہجری مطابق ۷۷-۱۷۷۶ء میں لباسِ فقیری اختیار کیا اور لکھنؤ چلے گئے- (۹۵) سکسینہ نے بھی آزاد کی اس غلط روایت کو قبول کیا ہے - (۹۶)

قیامِ فرخ آباد:

فرخ آباد کی ریاست کے بانی نواب محمد خاں بنگش تھے۔ انھوں نے فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانے میں عروج حاصل کیا محمد خاں بنگش کے مرنے کے بعد ان کے بڑے لڑکے قائم خاں جانشین ہوئے لیکن صفدر جنگ کی سازش کا شکار ہو کر روہیلوں سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے قائم خاں کے مرنے کے بعد محمد خاں کی بیوہ بی بی صاحبہ نے دوسرے فرزند احمد خاں کو ۱۱۶۰ ہجری مطابق ۱۷۴۷ء میں ریاست کا منصرم مقرر کر دیا۔ احمد خاں نے ریاست کے حالات کو درست کیا۔ احمد خاں جب دہلی میں تھے تو انھوں نے کسی غیر معروف ہندوستانی گھرانے کے بچے کو گود لے لیا تھا۔ اس کی پرورش انھوں نے خود کی اور ان کا نام مہربان خاں رکھا۔ جب احمد خاں نے فرخ آباد کا انتظام سنبھالا تو اپنے اسی معتمد چیلے مہربان خاں کو ریاست کا منصرم مقرر کیا۔ مہربان خاں بہت منتظم اور حوصلہ مند شخص تھا۔ اس نے ریاست کو بڑی ترقی دی۔ دہلی سے ہجرت کرکے آنے والوں کی بہت امداد کی اور فرخ آباد میں ان کے لیے سہولتیں فراہم کیں۔ مہربان خاں خود بھی شاعر تھا۔ رند تخلص کرتا تھا' شاعروں کا بہت قدردان تھا۔ سوز جب فرخ آباد پہنچے تو رند نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ممکن ہے کہ سوز کے رند کے ساتھ تعلقات دہلی ہی سے رہے ہوں۔ کیوں کہ احمد خاں دہلی میں کافی عرصہ رہے تھے۔ رند بھی انھی کے ساتھ تھے اور میر سوز قلعہء معلیٰ میں تعینات تھے یا ان کی آمد و رفت تھی پھر شاعری کے تعلق کے باعث دونوں ایک دوسرے سے آشنا رہے ہوں گے۔ بہرحال سوز کے ورودِ فرخ آباد پر رند نے ان کو بہت عزت و احترام سے رکھا۔ اس طرح سوز کا دربارِ فرخ آباد سے براہ راست تعلق قائم ہو گیا۔ رند نے فن شاعری اور سپہ گری میں میر سوز سے استفادہ کیا۔ اس وقت نواب محمد یار خاں محمد نگر ٹانڈہ کے حکمراں تھے' انھوں نے سوز کو ٹانڈہ آنے کی دعوت دی لیکن وہ تیار نہ ہوئے۔

۱۱۷۱ ہجری مطابق ۵۸-۱۷۵۷ء میں عماد الملک دو آبے سے روپیہ فراہم کرنے کے لیے فرخ آباد پہنچا۔ اس کے ساتھ سودا بھی تھے۔ رند نے سودا کو فرخ آباد میں قیام پذیر ہونے کی دعوت دی۔ دہلی کے حالات اطمینان بخش نہ تھے اس لیے سودا تیار ہو گئے عمادالملک بھی اپنی پریشانیوں میں تھا اس نے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ فرخ آباد میں سوز کی موجودگی کو سودا نے غنیمت جانا دو پرانے دوست پھر آپس میں مل بیٹھے۔ سودا فرخ آباد میں تقریباً تیرہ سال رہے۔ اس دوران میں نواب شجاع الدولہ ناظمِ اودھ نے کئی بار سودا کو یاد کیا لیکن سودا یہی کہتے رہے :-

سواد پیئے دنیا تو بہر سو کب تک ۔۔۔ آوارہ ازیں کوچہ بہ آن کو کب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہووے ۔۔۔ بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ شجاع الدولہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ ممکن ہے سودا کی اولوالعزم طبیعت کو فرخ آباد کی فضا میں گھٹن محسوس ہوئی ہو کیوں کہ اسی زمانے میں نواب احمد خاں بنگش بینائی سے محروم ہوگئے تھے اس دوران میں مہربان خاں رند کی ساری توجہ اپنے آقائے ولی نعمت کی خدمت و تیمارداری کی طرف رہی ۔ سودا نے فرخ آباد سے رخصت ہوتے وقت مہربان خاں رند کی خدمت میں ایک قطعہ گذرانا اور میر سوز کی ان کی سرکار میں موجودگی کو غنیمت قرار دیا اور مشورہ دیا کہ وہ ان کی قدردانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں کیوں کہ شاعر مثال طائر وحشی کے ہے اگر بھڑک کر اڑ گیا تو پھر دوبارہ ہاتھ نہیں آتا ۔ سودا کہتے ہیں :۔

شعر کی بحر میں ترا استاد　　کشتی ذہن کو ہے بادِ مراد
لیک خدمت میں تیری اتنی عرض　　کرتی اس خیر خواہ کو ہے غرض
ا کو ہر طرح سے غنیمت جان　　پھر ملے گا نہ سوز سا انسان
کیسے ہی رام ہوں کسی کے ساتھ　　پنچھی بھوکے ہوئے نہ آویں ہاتھ
یوں تو صید آکے اے کرم گستر　　دامِ الفت سے تیرے جائے کدھر
لیکن اس نظم سے نہ سمجھیو تو　　کچھ صلے سے غرض ہے سودا کو
اس سے رکھنا ہے یہ دلِ مہجور　　مہربان دوستی تری منظور

یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ عالم بادشاہ عنان حکومت سنبھالنے کی غرض سے دہلی جانا چاہتے تھے۔ بادشاہ کو نواب نجیب الدولہ کی طرف سے تردد تھا کیونکہ اس وقت نواب موصوف ہی دہلی میں ہر و کل کے مالک تھے ۔ نواب احمد خاں بنگش نے شاہ عالم کو یقین دلایا تھا کہ وہ بادشاہ کو بحفاظت دہلی پہنچا کر کاروبارِ سلطنت پر قابض اور متصرف کرا دیں گے۔ چنانچہ اس یقین دہانی پر شاہ عالم الہ آباد سے صفر ، ۱۱۸۵ ہجری مطابق مئی ، ۱۷۷۱ء میں روانہ ہوئے۔ کانپور تک شجاع الدولہ بھی ہمرکاب رہا۔ کانپور سے بادشاہ مرزا نجف خاں اور حسام الدین خاں کی معیت میں فرخ آباد پہنچا اور اطراف فرخ آباد میں قیام کیا ۔ اس وقت نواب احمد خاں بنگش بسترِ علالت پر تھے ۔ اسی لیے بادشاہ کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوا ویسے بھی روہیل کھنڈ کے مسلمان شاہ عالم کی کوتاہ اندیشی ، کم ہمتی اور نا اہلی کے باعث اس سے خوش نہ تھے۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر سوز کو شاہ عالم کے دربار میں باریاب ہونے کا موقع ملا۔ بادشاہ نے ایک مصرع پڑھا :۔

جی میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجے

میر سوز نے ایک مدحیہ قطعہ گذرانا۔ اس قطعے کا انداز بتاتا ہے کہ سوز بادشاہ کے حضور میں بہت ہی وقار اور تمکنت سے مدح سرا ہوئے اور حق گوئی و بے باکی سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کو بہت بیش بہا نصیحتیں کیں۔ مدح میں شیخ سعدی کے بعد اگر کسی شاعر کے ہاں یہ انداز ملتا ہے تو

وہ میر سوز ہیں - کہتے ہیں :-

در جواب بادشاہ کہ مصرع گفتہ اند

خسروا اقلیم میں فرمان روائی کیجیے — رتبۂ صاحب قرانی تک رسائی کیجیے
نائبِ اللہ کو لازم ہیں سب حق کی صفات — اے صفات اللہ کچھ اپنی بڑائی کیجیے
تیغِ سلطاں ناخنِ تدبیر ہے لاریب فیہ — اس سے عقدے کھولیے مشکل کشائی کیجیے
پُرخطر دولت یہ زر دولت ہے اے صاحب نظر — نیک و بد کو دیکھیے باہم سے جدائی کیجیے
نیک سے نیکی جزاء ہے بد سے لازم ہے بدی — مرض کو پہچانیے ویسی دوائی کیجیے
بعد ازیں مختار ہو اے بادشاہِ مومنین — خواہ شاہی کیجیے یا سپہ گدائی کیجیے
گر گدائی کیجیے تو کوچۂ محبوب کی — ورنہ مثلِ سوز ناحق جگ ہنسائی کیجیے

شاہ عالم بادشاہ کے سارے منصوبے درہم برہم ہو گئے جب ۲۸ ربیع الاول ، ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۱ جولائی ، ۱۷۷۱ء کو نواب احمد خاں بنگش کا انتقال ہو گیا - تاہم اس نے مرہٹوں کی امداد حاصل کرکے دہلی کے لیے رختِ سفر باندھا - ادھر نواب احمد خاں بنگش کے مرتے ہی ریاست کے حالات بدل گئے نواب موصوف کے تیسرے صاحبزادے نواب دلیر ہمت خاں بنگش مظفر جنگ کے لقب سے مسند نشین ہوئے لیکن اس مسند نشینی کی مخالفت بانی ریاست نواب محمد خاں کے آٹھویں بیٹے نواب مرتضیٰ خاں نے کی اس مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بیٹے محمد زمان خاں سے نواب احمد خاں کی لڑکی کی شادی ہوئی تھی اس تعلق کی بنا پر مرتضیٰ خاں چاہتا تھا کہ مسند نشینی اس کے لڑکے محمد زمان خاں کی ہو-لیکن بخشی فخرالدولہ ، حافظ رحمت خاں اور دوسرے دوستوں کی مدد سے مسند نشینی میں مظفر جنگ ہی کو کامیابی ہوئی -

اس پر مشتعل ہو کر مرتضیٰ خاں کے ایک ہوا خواہ نامدار خاں چیلے نے مظفر جنگ کے دستِ راست فخرالدولہ کو قتل کر دیا - دوسرے روز مظفر جنگ کے گروہ کے ایک شخص دیبا خاں آفریدی نے نامدار خاں کا کام تمام کر دیا - اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظفر جنگ نے نواب احمد خاں کے تمام پرانے عمّال کو برطرف کر دیا - بداعتمادی اور شک و شبہہ میں مبتلا ہو کر مظفر جنگ نے یکے بعد دیگرے اٹھارہ نائب بدلے بعض کو پھانسی دی گئی - اور بعض جلا وطن کیے گئے نواب مظفر جنگ نے اپنے مخالف چچا مرتضیٰ کو قید کرا دیا اور وہ حالتِ قید ہی میں قتل کر دیے گئے - اپنے بچیرے بھائیوں (مرتضیٰ خاں کے لڑکوں) کی جاگیریں ضبط کر دیں اور وظائف بند کر دیے- مخالفت اندر ہی اندر بڑھتی رہی - ۱۲۱۱ ہجری مطابق ۱۷۹۶ء میں نواب مظفر جنگ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا - آصف الدولہ نے فرخ آباد آکر تحقیق کی اور جرم ان کے لڑکے رستم علی خاں پر ثابت ہوا - (۹۷) آصف الدولہ نے امداد حسین کو نواب مقرر کیا اور رستم علی خاں کو قید

کرکے لکھنؤ لے گئے اور پہرے داروں کے سپرد کر دیا - کھانے کے خوان روزانہ منگوا دیے گئے اور تنخواہ باندھ دی گئی -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہربان خاں رند بھی مرتضیٰ خاں کے طرف داروں میں شامل تھے چنانچہ مظفر جنگ کے برسراقتدار آتے ہی انھوں نے بھی فرخ آباد کو الوداع کہا اور اپنے خسر افراسیاب خاں کے پاس دہلی چلے گئے - (۹۸) افراسیاب خاں اس وقت شاہ عالم کا وزیر تھا اور اس کو دہلی کے دربار میں کافی رسوخ حاصل تھا - (۹۹) ہمارا خیال ہے کہ مہربان خاں رند جب دہلی روانہ ہوئے ہوں گے اسی کے بعد میر سوز بھی فرخ آباد سے نکل کھڑے ہوئے ہوں گے - اس طرح وہ نواب احمد خاں بنگش کے انتقال (۲۸ ربیع الاول ، ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۱ جولائی ، ۱۷۷۱ء کے بعد فرخ آباد کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے مجموعی طور پر انھوں نے فرخ آباد میں پندرہ سولہ سال قیام کیا -

قیام ٹانڈا:

میر سوز کو اب صرف ایک سہارا اپنے پرانے قدردان نواب محمد یار خاں والی ٹانڈا کا تھا یقین کامل ہے کہ سوز فرخ آباد سے ٹانڈہ چلے گئے قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ان کی میر سوز سے دو ایک بار ٹانڈے میں ملاقات ہوئی بہت تواضع اور خلق سے پیش آئے - شوق کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوز وہاں باقاعدہ مقیم تھے اور انھوں نے شوق کے ساتھ حق میزبانی ادا کیا تھا - ٹانڈے میں میر سوز زیادہ عرصہ نہ رہ سکے وہ ربیع الاول ، ۱۱۸۵ ہجری مطابق ، ۱۷۷۲ء کے بعد فرخ آباد سے چلے اور ذی الحجہ ، ۱۱۸۵ ہجری ، مطابق فروری ، ۱۷۷۲ء کے شروع میں سکرتال کا معرکہ ہوا جس میں ٹانڈے کا دربار درہم برہم ہو گیا- گویا سوز کا ٹانڈے میں قیام پانچ ماہ سے زیادہ نہ رہا-

فیض آباد کا سفر:

اسی افراتفری میں وہ مع اہل و عیال فیض آباد چلے گئے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیض آباد میں معاش کا کوئی انتظام نہ ہو سکا ناچار اہل و عیال کو فیض آباد میں چھوڑا اور ممالکِ شرقیہ کا قصد کیا -

پٹنے کا سفر:

سوز اس زمانے میں سخت پریشانیوں میں مبتلا رہے۔وہ فرخ آباد اور ٹانڈے سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں نکلے تھے۔فطری طور پر وہ آزاد طبع انسان تھے وہ علائق دنیاوی سے سخت گھبراتے تھے - پے در پے انقلابات کی وجہ سے انھیں اہلِ خانہ کو لیے لیے پھرنا پڑا۔ان حوادث میں بال بچوں کی ذمہ داری بھی انھیں گراں گذرنے لگی - چناں چہ کہتے ہیں :-

یاد آتے ہیں گے وہ دن جب غم نہ تھا کسی کا　　اے سوز اب خجل ہیں دل کی مصیبتوں سے

اور

بڑا دنیا میں ہے گا وہ خرد مند　　زن و فرزند کا جو ہو نہ پابند

غریب الوطنی ، کسمپرسی اور کم معاشی کے احساس نے ان کو بہت شکستہ خاطر کر دیا - وہ امراء اور وزراء کے درباروں میں قدر و منزلت کے عادی تھے - ان کا اپنا ایک حلقہ تھا اور وہ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہے لیکن اس پرآشوب زمانے میں اپنے بیگانے ہو گئے تھے جن سے ان کو توقعات تھیں وہی منہ پھیر رہے تھے کچھ ایسی ہی وارداتِ قلبی اِس غزل میں ملتی ہیں :-

پہلے کہتے تھے کہ ہاں ہے سوز اچھا آشنا　　اب لگے کہنے کہ کیسا سوز کس کا آشنا
کون سنتا ہے کسی کا حالِ دل ،کس سے کہیں　　سچ ہے دنیا میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
جب تلک تھا کرّوفر کہتے تھے ہم مخلص ہیں سب　　جب کسی پر آ گئی پھر کون کس کا آشنا
آشنا ظاہر کے لاکھوں جس کو کہیے ہو سکیں　　لیک باطن کا نہیں جز حق تعالیٰ آشنا
حیف کیا باطل گئے اوقات اپنی عمر کے　　ہائے اس دشمن کو جانا اپنا پیارا آشنا
اے خدا اے جرم بخشا ، اے علیم و اے خبیر　　مرتے مرتے تُو مجھے کر اپنے در کا آشنا
تو نے آخر کو مجھے پیدا کیا ہے خاک سے　　خاک میں مجھ کو نہ کر اب تو کسی کا آشنا

دنیاوی سہارے جھوٹے پڑ جانے پر انسان اللہ تعالیٰ کے سچے اور حقیقی سہارے کو ڈھونڈتا ہے - سوز عمر کے اس آخری حصے میں در در پھرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہیں لیکن اہل و عیال کی پرورش کا غم انھیں گھلائے دیتا تھا - مندرجہ ذیل اشعار ایسی ہی کیفیات کی ترجمانی کرتے ہیں :-

ہمارا حوصلہ کوڑی کا دو کوڑی کا بس لیکن　　جو تو بخشش کرے تو ہو ابھی عیش و طرب صاحب
اگر مجھ سے بھی نالائق کو بخشو تو عجب کیا ہے　　ہزاروں لاکھوں بخشے تو نے میرے بے طلب صاحب
الٰہی تجھ سے کیا مانگوں کہ تو دانا و بینا ہے　　ولیکن دور کیجے جلد یہ رنج و تعب صاحب
ضعیفی ، دوسرے نا طاقتی ، حیران ہوں اب تو　　کہ چلنے کی نہیں طاقت کہاں جاؤں میں اب صاحب
طلب تھی سوز کی جو بیٹھ کر مرجائے عزلت میں　　ولیکن غم سے اِن اطفال نے مارا کڈھب صاحب

فیض آباد سے سوز پٹنے پہنچے - دہلی تو ان سے چھوٹ ہی گئی تھی - فرخ آباد بھی انھیں پناہ نہ دے سکا - شجاع الدولہ کا سایۂ کرم ان کو میسر نہیں آیا - وطن چھوٹا - رند کی قدردانی سے محروم ہوئے - فکرِ معاش نے حیران و پریشان کیا - اہل و عیال کو چھوڑ کر در بدر کی خاک چھانی - بڑھاپا ، افلاس ، غریب الوطنی ، تنگیِ معاش ان سب باتوں نے انھیں بہت کبیدہ خاطر کر دیا - اس آئے دن کی مہاجرت کے باعث وہ مقروض ہو گئے - اس احساس نے ان کو اور بھی تنگ دل اور پراگندہ مزاج کر دیا - اپنی پریشانیوں کا ذکر مندرجۂ ذیل اشعار میں کرتے ہیں :-

کون سے اعمال کا بدلا ملا ہے یا نصیب
زندگانی سے بھی زیادہ کونسا ہو گا عذاب

اپنے گھر سے یوں جدا کرکے پھرایا شہر شہر
واہ وا ہم کو زمانے نے دیا یوں انقلاب

وہ ادھر تڑپیں پڑے اور ہم ادھر تڑپیں پڑے
کون اب ہم کو ملاوے گا بغیر از بوتراب

اب نہیں طاقت جدائی کی شتابی سے ملاؤ
تم بنا ہے کون میرا یا شہ عالی جناب

ایک تو مجھ کو نہیں اب زندگانی کی امید
دوسرے، گھر کی مرے اب ہو چلی حالت خراب

تیسرے، جس شہر میں میری ہوئی ہے مسکنت
جس طرف اس کے نظر پڑتی ہے ، (۱۰۱) ہے گا آب آب

مجھ کو یہ امید ہے اب قبلہ گاہِ خافقین
جو سلامت اپنے گھر پہنچوں صبا سے بھی شتاب

نام تیرا مرتضیٰ اور کام ہے مشکل کشائی
ہے بڑی مشکل ، اسے آساں کر اے عالی جناب

قرض کو اپنے اتاروں اور کروں کارِ خیر
جس کی خاطر اب پڑا پھرتا ہوں در در یوں خراب

سید الشہدا کو سونپ آیا ہوں دلبندوں کو میں
وہ ملا دیں گے مجھے ایک ایک کا کرکے حساب

سوز کی یہ آرزو پوری کرو یا شاہ دیں
بعد اس کے کربلا کا کیجیے اس کو بوتراب

غریب الوطنی میں مصائب پیش آئیں تو وطن کی یاد ستاتی ہے خواہ وہاں کتنی ہی تکالیف کیوں نہ ہوں - کچھ ایسے ہی احساسات سوز کے ہاں بھی ملتے ہیں :-

حسرتِ دہلی کی کس منہ سے کروں تعریف میں
ایک ایک اس اجڑے گھر میں عالم تصویر ہے

کثرتِ عشاق ہے یاں تک کہ تم سے کیا کہوں
جورِ محبوباں سے ہر اک غنچۂ دل گیر ہے

پر عظیم آباد کے جتنے ملے صاحب سخن
جو ملا نہیاد تھا جو ہے سو آہو گیر ہے

احتجاج اس جا نہیں ہے قتل کو انسان کے
طعن نا انصافوں کا دلدوز تر از تیر ہے

سوز کا احوال تم سے کیا کہوں اے منصفو
دن کو ہر دم آہ ، شب کو نالۂ شب گیر ہے

سوز بہت سی توقعات لے کر عظیم آباد پٹنہ گئے تھے لیکن ان کو وہاں کا ماحول راس نہ آیا - وہاں کے علمی اور ادبی حلقوں نے بھی سرد مہری کا ثبوت دیا - اس اجنبی ماحول میں جہاں کوئی بھی شناسا نہ تھا ان کو سخت وحشت محسوس ہوئی -

کہاں سے میں کہاں آکر بسا ہوں دیکھیے قدرت　　جہاں کچھ بات کرنے کو نہ اپنا ہے نہ بیگانہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پٹنے کے شعراء نے سوز کے ساتھ نامہربانی کا سلوک کیا - غالباً یہ معاصرانہ رقابت ہوگی اور وہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کے شہر میں ایک کاملِ فن مقیم ہو اور ان کے معاش کے وسائل میں دوسرا بھی کوئی شریک ہو - مہاراجہ شتاب رائے کی قدردانی کے باعث دہلی کے بہت سے شاعر عظیم آباد میں جا بسے تھے - مثلاً شاہ قدرت اللہ قدرت ، میر ضیاء الدین ضیاء اور محمد فقیہ درد مند عظیم آباد اور مرشد آباد میں مقیم تھے ۔عین ممکن ہے کہ اپنے دوستوں سے امداد کی توقع پر سوز اس شہر پہنچے ہوں - اشرف علی فغاں مہاراجہ شتاب رائے کے پاس تھے - ان کی وفات ۱۱۸۶ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء میں ہوئی - اسی زمانے میں سوز ٹانڈے سے رخصت ہوئے تھے؟ ہو سکتا ہے کہ سوز فغاں کی خالی جگہ کو پُر کرنے پٹنہ پہنچے ہوں - لیکن انھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں یہ سمجھ لیا کہ ان کے واسطے پٹنے میں کوئی جگہ نہیں - دوسرے باشندگان عظیم آباد کی بے مہری نے ان کا دل اچاٹ کر دیا - لوگوں کی خود غرضی اور ناقدری کا انھیں شدید احساس ہوا وہ لوگ نہ خود اہلِ ہنر تھے اور نہ ہنر مندوں کے قدر شناس - ایک جگہ کہتے ہیں :-

جہاں میں آشنا کوئی نہ پایا　　جسے دیکھا اسے پایا بگانہ
ملا بھی کوئی تو اپنی غرض کا　　اسے واجب ہوا میرا ستانا
پڑھیں دو چار بیتیں بے دلی سے　　تو سن سن کر انھوں نے یہ نہ جانا
کہ اچھے کون ہیں ان میں بُرے کون　　مگر سُن سُن انھیں گردن ہلانا
نصیبوں میں ترے لکھا یہی تھا　　پڑھا کر سوز بیتیں عاشقانہ
نکالا سوز کو کس جا سے یارب　　کدھر لایا ہے اس کو آب و دانہ

اور وہاں سے جلد سے جلد رخصت ہونے کا قصد کر لیا -

سوز پٹنے سے نکل جلد میں کہتا ہوں تجھے　　یاں کے جتنے بھلے مانس ہیں جفا جو ہیں گے
یہ مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ کافر ہیں آہ　　ان کو پوچھو تو یہودی ہیں یا ہندو ہیں گے

کیونکہ جس شہر میں محبت ، اخلاص اور مہمان نوازی کا چلن نہ ہو تو اس سے صحرا ہی بہتر ہے :-

اے سوز ایسے شہر سے صحرا بہت بھلا
کیا کیجیے جہاں میں محبت نہیں رہی

مرشد آباد کا سفر:

بہرحال مختصر عرصۂ قیام کے بعد سوز مرشد آباد چلے گئے - وہاں نواب مبارک الدولہ نے ان کی کچھ عزت افزائی اور قدردانی کی - (۱۰۲) یہ وہی مبارک الدولہ (۱۰۳) ہیں جن کے علاج کے لیے سوز کے شاگرد آشفتہ ۱۲۰۸ ہجری مطابق ۹۴-۱۷۹۳ء میں لکھنؤ سے مرشد آباد گئے تھے - (۱۰۴) اس وقت بنگال کے سیاسی افق پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے - امیروں اور جاگیرداروں کی حالت خراب تھی - انگریزوں کی حکمتِ عملی کے باعث بنگال کا اقتصادی نظام دِگرگوں تھا - سوز نے مرشد آباد کو بھی پسند نہیں کیا - ہر جگہ ان کو دہلی کے شب و روز یاد آتے رہے :-

ہزار سیر کرے شہر شہر کی تو سوز
اٹھے گا دلّی کے اپنے تجھے دیار سے خط

آخر تھوڑے عرصے کے بعد وہ مرشد آباد سے فیض آباد کے لیے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے :

خدا کے در پہ بیٹھ اے سوز یوں واہی نہ پھر در در
کہ وہ پیدا کیے کی شرم کو اپنی نبھاتا ہے

فیض آباد کو واپسی:

میر سوز شجاع الدولہ کے دور حکومت میں فیض آباد واپس آئے -

میر سوز کے دہلی سے ترکِ وطن کرنے کے بعد کے حالات تذکرہ نگاروں نے صحت کے ساتھ قلم بند نہیں کیے ہیں اور اس باب میں متضاد بیانات ملتے ہیں - آزاد نے دیگر تذکرہ نویسوں کے علی الرغم لکھا ہے کہ " شاہ عالم کے زمانے میں جب اہل دہلی کی تباہی حد سے گزر گئی تو ۱۱۹۱ ہجری مطابق ۱۷۷۸ء میں لباسِ فقیری اختیار کیا اور لکھنؤ چلے گئے مگر وہاں سے ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۱۷۹۷ عیسوی میں ناکام مرشد آباد گئے یہاں بھی نصیب نے یاوری نہ کی پھر لکھنؤ آئے "- (۱۰۴) سکسینہ نے آزاد ہی کی روایت پر مزید اضافہ کیا ہے کہ " وطن کی تباہی و بربادی سے افسردہ ہو کر نکل کھڑے ہوئے پہلے فرخ آباد گئے جہاں نواب مہربان خاں رند دیوان نواب احمد خاں غالب جنگ کی چند دن ملازمت و رفاقت کی اس کے بعد لکھنؤ آئے، یہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا - نواب بڑی مہربانی سے پیش آئے مگر ان کا جی نہ لگا، چند دن ٹھہر کر مرشد آباد کا رخ کیا جہاں نوابان بنگالہ کا دور دورہ تھا وہاں سے بھی جی گھبرایا آخرکار اسی سال لکھنؤ واپس آئے اب کی مرتبہ آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے -" (۱۰۵)

قاسم لکھتے ہیں کہ مدت تک دیارِ شرقیہ میں زندگی کے دن بسر کیے (۱۰۶) کریم الدین (۱۰۷) بھی یہی کہتے ہیں - آزاد نے پہلی غلطی تو یہ کی ہے کہ میر سوز کی دہلی سے روانگی کا زمانہ احمد شاہ کے عزل کے بعد کی بجائے شاہ عالم کے عہد میں قرار دیا ہے دوسرے انھوں نے دہلی سے

براہ راست لکھنؤ آنا لکھا ہے انھوں نے فرخ آباد میں سکونت اختیار کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے پھر علی لطف کی روایت کے بموجب (۱۰۸) ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں مرشد آباد جانا لکھا ہے سکسینہ نے اگرچہ فرخ آباد کا ذکر کیا ہے لیکن قیام صرف چند دن لکھا ہے - یہ بھی حقیقت کے خلاف ہے - قاسم اور کریم الدین کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میر سوز مدت تک دیارِ شرقیہ میں رہے - سکسینہ کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کہ سوز جب لکھنؤ پہنچے تو آصف الدولہ کا زمانہ تھا - نواب بڑی مہربانی سے پیش آئے مگر ان کا جی نہ لگا چند دن ٹھہر کر مرشد آباد کا رخ کیا - " اسی طرح محسن (۱۰۹) ، نساخ (۱۱۰) ، عبدالحی صفا (۱۱۱) نے بھی یہی لکھا ہے کہ وہ آصف الدولہ کے دور حکومت میں لکھنؤ آئے یہ تمام رائیں قیاسی ہیں سوز ، شجاع الدولہ کے عہدِ حکومت میں اودھ پہنچے - سوز کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرت کے اس زمانے میں وہ سخت مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے انھیں کسی سرپرست کی اشد ضرورت تھی اس لیے سکسینہ کا یہ کہنا کہ نواب مہربانی سے پیش آیا مگر ان کا جی نہ لگا درست نہیں ہے سوز ایسے معاشی بحران میں تھے کہ جی نہ لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حقیقت یہ ہے کہ شجاع الدولہ کے دربار میں انھیں کوئی جگہ نہ مل سکی اور کسی بہتر مستقبل کی تلاش میں وہ پٹنہ اور مرشدآباد گئے - بد قسمتی سے انھیں وہاں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی اور وہ پھر اودھ واپس آگئے - آزاد ، سکسینہ ، محسن ، نساخ ، صفا نے ان کی لکھنؤ میں آمد تاریخی حقیقت کے برخلاف لکھی ہے کیوں کہ سوز پہلی بار جو اودھ آئے تو شجاع الدولہ کا پایۂ تخت فیض آباد تھا بلادِ شرقیہ سے واپسی کے بعد بھی شجاع الدولہ زندہ تھا اور سوز فیض آباد ہی پہنچے شورش (۱۱۲) نے صحیح لکھا ہے کہ "سوز فیض آباد میں رہتے تھے -"

سات سال بعد:

لکھنؤ تو آصف الدولہ کی تخت نشینی (۱۱۸۸ ہجری مطابق ۱۷۷۴ء) کے سات سال بعد (۱۱۹۵ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء) سرکاری مستقر قرار پایا تھا - دراصل لکھنؤ کو کچھ ایسی شہرت ہو گئی تھی کہ ہر راوی نے لکھنؤ ہی کا ذکر کیا ہے - قطع نظر اس کے کہ لکھنؤ کو پایۂ تخت کس زمانے میں بنایا گیا ہے - اسپرنگر کا کہنا صحیح ہے کہ وہ ۱۱۹۱ ہجری مطابق ۱۷۷۸ء میں لکھنؤ گئے (۱۱۳) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دہلی سے لکھنؤ میں وارد ہونے کا یہ سال ہے بلکہ یہ سال فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہونے کا ہو سکتا ہے - کیونکہ آصف الدولہ اپنی والدہ سے دور رہنا چاہتا تھا اس لیے اسی سال یا اس کے لگ بھگ فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر قرار دیا - حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے پر تمام تذکرہ نگار غلط فہمی میں مبتلا رہے ہم نے تحقیق اور جملہ شہادتوں کو سامنے رکھ کر سوز کے زمانۂ مہاجرت کو مرتب کیا ہے :-

۱- احمد شاہ کے زوال (رمضان ، ۱۱۶۷ ہجری مطابق جون ، ۱۷۵۴ء کے بعد سوز دہلی سے ۱۱۶۹ ہجری مطابق ۵۶-۱۷۵۵ء میں فرخ آباد کے لیے روانہ ہوئے -

۲- ۲۸ ربیع الاول ، ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۱ جولائی ، ۱۷۷۱ء کو نواب احمد خاں بنگش والیٔ فرخ آباد کا انتقال ہوا اس کے کچھ عرصے بعد وہ ٹانڈہ چلے گئے -

۳- تقریباً سات ماہ بعد سکرتال کا معرکہ (ذی الحجہ ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء) میں ہوا - اور انھیں ٹانڈے کو خیرباد کہنا پڑا -

۴- سوز ٹانڈے سے شروع سال ۱۱۸۶ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء فیض آباد آئے -

۵- اہل و عیال کو فیض آباد چھوڑ کر وہ پٹنے روانہ ہو گئے -

۶- پٹنے میں حالات ناسازگار پا کر انھوں نے مرشد آباد کا رخ کیا -

۷- کچھ عرصہ مرشد آباد میں رہ کر ۲۴ ذی قعد ، ۱۱۸۸ ہجری مطابق ۲۶ جنوری ، ۱۷۷۵ء (شجاع الدولہ کی وفات) سے کچھ عرصہ پہلے وہ فیض آباد واپس آ گئے -

اس ضمن میں شاہ کمال کی روایت بہت اہم ہے انھوں نے لکھا ہے کہ "ہم لکھنؤ میں ایک ساتھ انیس سال رہے -" (۱۱۴) میر سوز کا سالِ وفات ۱۲۱۳ ہجری مطابق ۱۷۹۸ء ہے۔اس حساب سے شاہ کمال سے ان کا تعلق ۱۱۹۴ ہجری مطابق ۱۷۷۹ء میں قائم ہوا ہو گا - ادھر مرزا کاظم مبتلا بھی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ سوز ۱۱۹۴ ہجری مطابق ۱۷۷۹ء میں لکھنؤ میں تھے -(۱۱۵) لیکن میر سوز ۲۴ ذی قعد ، ۱۱۸۸ء ہجری مطابق ۲۶ جنوری ، ۱۷۷۵ء سے پہلے فیض آباد آ چکے تھے، کیوں کہ سعادت خاں ناصر نے لکھا ہے کہ آصف الدولہ کی تخت نشینی کے موقعے پر سوز موجود تھے اور انھوں نے یہ رباعی حضور میں گذرانی تھی -(۱۱۶)

خالق کہ بہ خلق زندگانی دادہ دنیا بہ فلانی و فلانی دادہ
ہر چند اجارۂ قضا و قدر است الحال جہاں را بہ امانی دادہ

اس موقعے پر سودا بھی موجود تھے انھوں نے بہت تعریف کی - یہاں یہ تشریح کر دینا ضروری ہے کہ زمانۂ شاہزادگی میں آصف الدولہ کو مرزا امانی کہا جاتا تھا - میر سوز کے مختلف مقامات پر قیام کرنے کی تفصیل یہ ہے :-

۱-	قیامِ دہلی	تقریباً	۴۴ سال
۲-	قیامِ فرخ آباد	تقریباً	۱۶ سال
۳-	قیامِ ٹانڈا		
۴-	قیامِ فیض آباد	تقریباً	۳ سال

۵- قیامِ عظیم آباد
۶- قیامِ مرشد آباد
۷- قیامِ فیض آباد تقریباً ۷ سال
۸- قیامِ لکھنؤ تقریباً ۱۶ سال

محی الدین مبتلا میرٹھی نے تمام تذکرہ نویسوں کے علی الرغم ایک نئی بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ میر سوز دہلی سے بہ طریقِ سیاحت ضلع جے پور گئے - اور چند سال اس جگہ رہے (۱۱۷) اس کے بعد لکھنؤ آئے ہمارا خیال ہے کہ میر سوز کا جے پور کا سفر سیاحت یا کسی دوسری ضرورت کی بنا پر ہو گا - لیکن یہ سفر قیامِ دہلی کے دوران ہی کسی سال کیا گیا ہو گا - مبتلا نے غلطی سے اس کو اُس زمانے سے ملا دیا جو دہلی چھوڑنے کا ہے مبتلا کو سوز کے فرخ آباد جانے کا قطعاً علم نہیں تھا - اس لیے انھوں نے جے پور سے لکھنؤ کو ہجرت کرنا بیان کیا ہے - مبتلا کی اس روایت کا ماخذ کیا ہے اس کی کوئی سند اور شہادت دریافت نہ ہو سکی - لیکن سفرِ جے پور کے ذکر سے کچھ نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور گم شدہ کڑیوں کو ملانے سے سوز کے جے پور جانے کی علتِ غائی دوسری صورت اختیار کر لیتی ہے -یہاں پر چند باتیں غور طلب ہیں :-

۱- حضرت شاہ فخرالدین کے ایک خلیفہ کا نام میر ضیاء الدین تھا اور حضرت شاہ صاحب نے ان کو جے پور میں تبلیغِ دین کے لیے مامور فرمایا تھا - وہاں آپ نے ایک خانقاہ اور مدرسہ قائم کیا تھا - مدرسہ آپ کے نام پر ہی ضیاء العلوم کے نام سے مشہور تھا -

۲- حضرت شاہ فخر الدین کے خلفاء اور مریدین کی فہرست میں ایک نام سید محمد میر کا ہے - (۱۱۸)

۳- اس فہرست میں سید قمرالدین منت کا نام بھی ہے -

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت شاہ صاحب کے خلیفہ میر ضیاء الدین ہی تو میر سوز کے والد نہیں ہیں ؟ تذکرہ نگاروں نے سوز کے والد میر ضیاء الدین کو بہت متقی اور پرہیزگار لکھا ہے - لیکن ان کے بارے میں مزید کوئی تفصیل قلم بند نہیں کی ہے - اس سے یہ گمان گذرتا ہے کہ چوں کہ ان کا مستقل قیام جے پور میں تھا اس لیے تذکرہ نویسوں کو ان کی بابت زیادہ معلومات نہیں رہی ہوں گی - مبتلا نے میر سوز کے سفرِ جے پور کا جو ذکر کیا ہے اس سے بھی اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ میر سوز اپنے والد محترم کے پاس آتے جاتے ہوں گے - اس کا علم مبتلا کو ہو گا اور انھوں نے غلطی سے یہ لکھ دیا کہ دہلی چھوڑ کر وہ جے پور چلے گئے اور پھر لکھنؤ روانہ ہو گئے -

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت شاہ فخرالدین کے مریدین کی فہرست میں جو نام سید محمد میر کا ہے کیا وہی میر سوز ہیں - اگر سوز کے والد واقعی شاہ صاحب کے خلیفہ ہوں گے تو یقیناً انھوں نے میر سوز کو بھی شاہ صاحب سے بیعت کرایا ہو گا - چوں کہ میر سوز کا پہلا تخلص میر تھا اس لیے مریدین کی فہرست میں ان کا نام اسی طرح لکھا رہا - مریدین کی فہرست میں سید قمرالدین منت کی موجودگی سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے - قمر الدین منت کی والدہ بھی بخاری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں(۱۱۹) اگر یہ قیاسات درست ہیں تو میر سوز کا یہ شعر حضرت شاہ فخرالدین کی مدح میں شمار کرنا چاہیے :-

سوز کا کوئی عمل عفو کے قابل تو نہیں
شاہ بخشاویں مگر ایسے گنہگاروں کو

بد قسمتی سے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی ایسی شہادت اب تک دستیاب نہ ہو سکی اس لیے کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی' ویسے میر سوز کے کلام سے جو شہادت ملتی ہے- اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ میر ضیاء الدین کی وفات لکھنؤ میں ہوئی - اس کا ذکر آگے آئے گا بہرحال تذکروں میں جو باتیں ملی ہیں' ان میں ربط پیدا کرکے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے' ہو سکتا ہے آگے چل کر یہ گتھی سلجھ جائے - ویسے مبتلا کی اس روایت پر بھی زیادہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ میر سوز دہلی سے جے پور چلے گئے - کیوں کہ یہ مستند شہادتوں کے برعکس روایت ہے' ہو سکتا ہے کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے مبتلا نے فرخ آباد کی بجائے جے پور منتقل ہونا لکھ دیا ہے- بہرحال یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ میر سوز دہلی سے فرخ آباد آئے اور پھر وہاں سے فیض آباد چلے گئے -

خیال ہے کہ فیض آباد پہنچنے کے بعد سودا کے وسیلے سے سوز کسی امیر کی سرکار سے منسلک ہو گئے ہوں گے - اغلب ہے کہ آصف الدولہ کے زمانۂ شہزادگی ہی میں ان کی سرکار میں ملازم ہو گئے ہوں - بہرحال یہ دونوں پرانے دوست پھر ایک جگہ مل بیٹھے اور دربارِ اودھ کی زینت بنے ہے -

۱۱۹۵ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء میں راجہ چیت سنگھ والی بنارس نے سرکشی اختیار کی اس کا اصل جھگڑا انگریزوں سے تھا اس نے عالمِ غیض و غضب میں اپنے علاقے کے بہت سے فرنگیوں کو قتل کرا دیا - اس وقت گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز تھا وہ خود مقابلہ پر آیا لیکن راجہ چیت سنگھ کی فوج نے اس کو گھیرے میں لے لیا - (۱۲۰) اس معاملے کو طے کرنے کے لیے نواب آصف الدولہ اپنے معتمد سرفراز الدولہ کے ہمراہ مع ایک کثیر فوج کے ہیسٹنگز کی مدد کو پہنچا اس موقع پر میر سوز بھی شاہی لشکر کے ساتھ تھے - چیت سنگھ کو شکست ہوئی اس موقع پر فتح کی خوشی میں میر سوز نے

مندرجۂ ذیل مطلع نواب وزیر کے حضور میں گذرانا نواب نے خوش ہو کر انعام و اکرام سے سرفراز کیا - (۱۲۱)

ادھر دیکھو تو کس ناز و ادا سے یار آتا ہے
مسیحا کی موئی امت کو ٹھوکر سے جِلاتا ہے

مطلع کے بعد مندرجہ ذیل اشعار میں بھی وہی کیفیت اور تاثُر ملتا ہے جس کے زیر اثر مطلع کہا گیا ہے :-

الٰہی غیر کیجو آج کس پر تیغ لے نکلا — فلک پر خوف سے خورشید جس کے تھرتھراتا ہے
عجائب سیر ہے اب کوچۂ قاتل میں ، چلتے ہو — کوئی تو ایڑیاں رگڑے ہے ، کوئی گڑگڑاتا ہے
صبا تجھ کو سلیماں کی قسم ہے جھوٹ مت کہیو — یہ کون آتا ہے جو گلشن نہیں پھولا سماتا ہے

قیامِ لکھنؤ:

آصف الدولہ نے اپنی تخت نشینی (۱۱۸۸ ہجری مطابق ۱۷۷۴ء) کے سات سال بعد (۱۱۹۵ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء) لکھنؤ کو پایۂ تخت بنایا - بادشاہ کے ساتھ سودا اور سوز بھی لکھنؤ میں اقامت پذیر ہو گئے لیکن یہ دوستی اور رفاقت زیادہ دنوں جاری نہ رہی - سودا نے ۴ رجب ، ۱۱۹۵ ہجری مطابق ۲۶ جون ، ۱۷۸۲ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا - سوز نے دلی عقیدت اور احترام کے ساتھ اس طرح اظہار غم کیا :-

حمد میں تیری اے خدائے سخن — اس زباں سے کہا نہ جائے سخن
باتیں ساری بناتے ہیں لیکن — کوئی بر لائے آشنائے سخن
کوئی صاحب سخن نہیں مرتا — ہے قیامت تلک بقائے سخن
زیست انسان کی نہ پوچھو کچھ — اکل یا شرب ہے بجائے سخن
سوز خاموش رہ کے کیا لے گا — زندگانی تو ہے برائے سخن

سودا کی وفات کے بعد نواب کی استادی کا شرف سوز کو حاصل ہوا - اسی دوران (۱۱۹۶ ہجری مطابق ۱۷۸۲ء) میں گردشِ روزگار کے ستائے میر تقی میر بھی لکھنؤ پہنچ گئے - ان کی آمد پر نواب آصف الدولہ نے خوشنودی کا اظہار کیا اور تین سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا- میر تقی میر کو میر سوز سے جو تکدر دہلی میں تھا وہی لکھنؤ میں بھی رہا ایک واقعہ پہلے بیان کیا گیا ہے ، دوسرا سعادت خان ناصر اس طرح بیان کرتے ہیں - (۱۲۲)

آصف الدولہ کے استاد میر سوز مجرے کے لیے حاضر ہوئے۔ میر صاحب بھی اس وقت

موجود تھے - نواب کی فرمائش پر سوز نے دو تین غزلیں پڑھیں اور نواب صاحب نے خوب تعریف کی - میر صاحب کو سوز کی جسارت اور نواب کی تعریف بہت ناگوار گذری اور سوز سے کہا تمہیں اس دلیری پر شرم نہیں آتی - تمہاری شعر خوانی کا موقع اور محل تو وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈکلھیاں پک رہی ہوں - نہ وہ جہاں میر تقی میر موجود ہوں یہ کہہ کر وہ شقہ جو نواب نے میر کی طلب کے لیے لکھا تھا جیب سے نکال کر نواب کے سامنے رکھ دیا - اور خانہ آبادی دولت کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے - میر کی بددماغی کے آصف الدولہ متحمل نہ ہو سکے-لہذا دونوں میں زیادہ گہرا تعلق پیدا نہ ہو سکا - آصف الدولہ رنگین مزاج اور خوش دل انسان تھا میر کی الم پسندی جس پر خود پسندی مستزاد تھی اس کے مزاج کے موافق نہ تھی - بہرحال وہ میر کی تعظیم و توقیر کرتے رہے اور شاہانہ نوازشوں سے نوازتے رہے -

اسی زمانے میں شاہ کمال جو اپنے وقت کے اچھے خوش خط اور خوش قلم تھے میر سوز سے متعارف ہوئے دونوں حضرات کے مراسم بہت گہرے ہو گئے - شاہ کمال نے اردو شعراء کے دواوین کی تدوین مع مشہور شاعروں کی تصویروں کے کر رکھی تھی - میر سوز نے اس کا ذکر آصف الدولہ سے کیا - آصف الدولہ کے حضور میں پیش کیا - آصف الدولہ نے ہمت افزائی کی ایک سال کے بعد ہاتھی کی سواری بھیج کر شاہ کمال کو طلب کیا اور خواہش کی کہ دیوان مرتب کیے جائیں اور شاعروں کی تصویریں بھی تیار کی جائیں جس کے لیے خوش نویس مقرر کیے جائیں گے - اس وقت پانچ سو روپیہ نذرانہ کے بطور شاہ کمال کو دیے - (۱۲۳) مہاراجہ ٹکیت رائے کے مشورے سے تمام دیوان آصف الدولہ کے پاس روانہ کیے گئے - دس روز میں پچاس سے زیادہ دیوانوں کی نقلیں حاصل کر لی گئیں - جس کے صلے میں مزید پانچ سو روپیہ اور شال اور دو شالہ شاہ کمال کو بھیجا گیا اور اسی طرح کام ہوتا رہا (۱۲۵) لیکن نواب کو اجل نے فرصت نہ دی اور انتقال کیا -

لکھنؤ میں میر سوز کا تعلق دربار شاہی سے بہت قریبی تھا - نواب سرفراز الدولہ جو آصف الدولہ کے بہت چہیتے امیر تھے میر سوز کے معتقد ہی نہیں بلکہ مرید تھے - خود آصف الدولہ بھی ان کی بے حد عزت و تعظیم کرتا تھا اور ان کی صحبت کا دل و جان سے عاشق تھا - لکھنؤ کے تقریباً تمام عمائدین و سربرآوردہ لوگ میر سوز کی خدمت کرنا باعث شرف و برکت شمار کرتے تھے (۱۲۷) میر سوز کو بھی اپنے آقائے ولی نعمت سے بہت تعلق خاطر تھا اگرچہ انھوں نے مدح سرائی کو کبھی اپنا شیوہ نہیں بنایا لیکن اپنے اس قدردان کی مدح انھوں نے بھی کی - مدح کا یہ انداز سوز ہی سے شروع ہوا اور ان پر ہی ختم ہو گیا - کتنے اختصار اور سنجیدہ و پروقار انداز میں ان خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ایک اچھے حاکم میں رعایا کے واسطے ہونی چاہییں :-

ایک بندہ جہان میں واللہ آصف الدولہ نام ہے جس کا

صبح سے شام تک غریبوں کا غور پرداخت کام ہے جس کا
وحدہ لا الہ الا اللہ ذکر قلبی مدام ہے جس کا
بھائی کہنا ہر ایک غرباء کو یہ تلطف کلام ہے جس کا
آصفِ جاہ ناظمِ دکنی ایک ادنا غلام ہے جس کا
اور انگریز مرہٹہ کیا ہے جو ہے سو پائے نام ہے جس کا
اور تو اور سوز سا وحشی ان دنوں دل سے رام ہے جس کا

ایک دوسرے شعر میں کتنی حق گوئی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ صاحبِ اقتدار کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ دنیا میں وہی تنہا صاحبِ طبل و نشاں ہے' بلکہ معلوم نہیں ایسے کتنے سلاطین اس دنیا میں آئے اور چلے گئے :-

ایسے ہی حضرتِ آصف کو جو کہتے ہیں وزیر
اس تجمل کے ہوئے خلق میں سلطاں کتنے

اسی کے ساتھ اپنی شاعرانہ انا کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

اس طرح سوز کو بھی لوگ کہے ہیں شاعر
ایسے گلیوں میں دکھا دوں میں غزل خواں کتنے

ایک دوسرے شعر میں کتنے محبت آمیز لہجے میں دلی جذبات کا اظہار کرتے ہیں :-

بغیر از آصف الدولہ کہ وہ سلطانِ خوباں ہے
بتاؤ کون ایسا ہے جسے استاد میں کرتا

چین اور فراغت کا یہ دور زیادہ عرصہ جاری نہ رہا - عمر کے آخری حصے میں سوز کو ایک ایسا زخم لگا جو کبھی مندمل نہ ہو سکا یعنی بڑھاپے میں جوان بیٹے کی موت کا غم سہا -

بیٹے کی موت نے باپ کی کمر توڑ دی - وہ بیٹا جس کو بہت منتوں سے پالا تھا داغ مفارقت دے گیا - میر مہدی داغ ان کے جوان بیٹے تھے - کسی حسینہ پر عاشق ہو گئے اور اسی کی جدائی میں گھل گھل کر جان دے دی - اس غم نے سوز کو نڈھال کر دیا - سوز جو نہایت ظریف' بذلہ سنج اور خوش مزاج تھے 'یاس و الم کی تصویر بن گئے - سوز جو اپنی محبت کو لیلیٰ اور مجنوں کی محبت قرار دیتے تھے :-

کہاں مجنوں کہاں لیلیٰ یہ افسانہ ہے اے یارو
جہاں میں اِن دنوں میں سوز اور مہدی کی شہرت ہے

اب بیٹے کی جدائی میں خون کے آنسو روتے ہیں :-

آجا میری منتوں کے پالے — اے پیارے جھنڈولے بالوں والے
تو سامنے میرے اٹھ گیا ہائے — میں مر نہ گیا تری بلا لے
تاریک ہوا جہان تجھ بن — اے میرے اندھیرے کے اجالے
سر سے پاؤں تلک لگی یوں — پھنکتا ہوں آن کر بجھا لے
وہ شرم سے تیرا مسکرانا — اے پتلے ہی پتلے ہونٹوں والے
دل چاہتا ہے کہ پھر بھی دیکھوں — ایک آن تو پھر مجھے دکھالے
یا آن کے پاس بیٹھ میرے — یا پاس تو اب مجھے بلا لے
تم تو جنت کو سدھارے اچھا (؟) — دوزخ کے ہمیں کیا حوالے
اے میرے مسیح میرے مہدی — میاں مرتا ہے آن کر جلا لے

اور

یاں کاہے کو آپ آئیے اب — پر ہم کو وہیں بلائیے اب
میرا احوال آپ سنیے — اپنی حالت سنائیے اب
صورت کو ترستے ہیں کسی شکل — کھڑا اپنا دکھائیے اب
میاں بیٹھ گئے تمہارے غم میں — دنیا سے ہمیں اٹھائیے اب
تم تو نہ بنے ہمارے ڈھب کے — اپنا سا ہمیں بنائیے اب
یاں تک تو نہ آیا سوز وہ شوخ — اس کی طرف آپ جائیے اب
جو وہ نہ ملا تو خاک میں پھر — اپنے ہی تئیں ملائیے اب

اور

آہ اپنے دوست پیارے مر گئے — خاک میرے منہ میں اپنے گھر گئے
روز جاتا ہوں کبھی ملتے نہیں — یہ ہی کہتے ہیں ابھی باہر گئے
میر مہدی تم گئے جنت کو آہ — پر پدر کے داغ دل پر دھر گئے
بھائی کو اپنے بلایا اپنے پاس — باپ کو پوچھا نہ تم کیدھر گئے

کچھ نہ غم آیا تمہیں میرا میاں
میرے حق میں آہ تم کیا کر گئے

بیٹے کی تعزیت کرنے والے جب آتے ہیں تو دل پر چرکے لگتے ہیں - دل کا زخم پھر ہرا ہو جاتا ہے :-

اے جانِ پدر جب سے تم اپنے گھر گئے (؟)
بابا کے جگر پہ داغ غم کا دھر گئے

کوئی پوچھے تو کیا بتاؤں اس کو
کس منہ سے کہوں کہ میر مہدی مر گئے

داغ کی وفات کے بعد جب پہلی عید آئی تو بوڑھے باپ کو نوجوان بیٹے کی یاد تڑپا گئی :-

ہوئے ایسے ہی تم نظروں سے اب بابا کے گم مہدی
مبارکباد کو بھی عید کی آئے نہ تم مہدی

وہ موت کی راہ تکنے لگے تاکہ دوسری دنیا میں اپنے نورِ نظر کو دیکھ کر آنکھوں کو روشن کر سکیں :-

یہ تو معلوم کہ تم ملنے نہ آؤ گے ہمیں
پر یہ فرماؤ کہ کس روز بلاؤ گے ہمیں
آنکھ مندنے سے توقع ہے فقط اتنی اب
پھر جو کھولیں گے تو تم شکل دکھاؤ گے ہمیں
یاں کے جانے سے اسی واسطے ہے ہم کو خوشی
پھر تو بے دغدغہ پہلو میں بٹھاؤ گے ہمیں
یاں تو سنتے تھے بھلا ، غیر نہ کہتے تھے کچھ
واں تو جی کھول کے آواز سناؤ گے ہمیں
ہم کو معلوم ہوا تم نہ ملو گے ہرگز
ہاں مگر خاک میں جب تک نہ ملاؤ گے ہمیں
زیست کا لطف نہیں جان اٹھالو یاں سے
تا کجا چشم خلائق سے گراؤ گے ہمیں

یہ توقع نہ تھی دلسوز کو مہدی صاحب
نجد کی خدمت میں یہاں چھوڑ کے آؤ گے ہمیں

اور

نہیں غم شادمانی میری یہ ہے
عزیزو زندگانی میری یہ ہے
مروں پاؤں تلے جو اس صنم کے
تو عمرِ جاودانی میری یہ ہے
پیو تم مے میں خوں پیتا ہوں اپنا
شرابِ ارغوانی میری یہ ہے
سنو جی ایک تھا سوز، ایک مہدی
شب و روز اب کہانی میری یہ ہے

۱۲۰۳ ہجری مطابق ۸۹-۱۷۸۸ء میں جب شاہ عالم کے صاحبزادے سلیمان شکوہ، غلام قادر روہیلہ سے جان بچا کر لکھنؤ پہنچے تو آصف الدولہ نے ان کی بہت مدارات کی لکھنؤ میں شاعروں کا ایک قدر دان اور پیدا ہو گیا - سلیمان شکوہ اپنی مجلس میں مشاعرے منعقد کرتے تھے - اس زمانے میں کسی مشاعرے میں میر سوز نے بھی شرکت کی - مصحفی کہتے ہیں (۱۲۸) کہ میر سوز جو لباسِ فقیرانہ سے آراستہ ہیں، وہ اوائلِ مشاعرہ میں ایک پٹو اور ایک دو شالے سے سرفراز ہوئے اور اپنی راہ لی -

۲۸ ربیع الاول ، ۱۲۱۲ ہجری مطابق ستمبر ، ۱۷۹۷ء کو نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوا - (۱۲۹) اسی کے ساتھ دوسرے بادشاہ کے جلوس کی تیاریاں شروع ہو گئیں - وہ لوگ جو نواب آصف الدولہ کی زندگی میں ان کی الفت و رفاقت کا دم بھرتے تھے، نئے بادشاہ کے گرد جمع ہونے

لگے - اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی' نہ کسی نے آہ بھری اور نہ کسی آنکھ سے آنسو ٹپکا - سوز نے اہل دنیا کی بے وفائی دیکھی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا کی محبت ہی سراسر بے معنی ہے :-

دلا اہل دنیا سے مت آشنا ہو — یہ فانی ہے سب کچھ ، جو ان میں وفا ہو
بھلا فائدہ ایسی الفت کیے سے — الٰہی یہ اڑ جائے اس کا برا ہو
ستاتی ہے لحہ بہ لحہ یہ دل کو — جو موذی ہو اب ان میں پھر کیا مزا ہو
مرے آصف الدولہ اور ایک سے بھی — کسی کی بھی آنکھوں سے آنسو بہا ہو
و یا اشک خونی سے روتا ہو کوئی — پھر ایسوں سے ملنے کا کیا فائدہ ہو
وہ بھائی بڑے لوگ ہیں' ان سے ڈریے — وہ ملتا ہے ان سے جو خود بے وفا ہو
کسی نے بھی ماری چھری اپنے دل پر — کسی نے بھی غم کھا کے کاٹا گلا ہو
مگر ایک آقا محمد کہ جس نے — اخوت کا دنیا میں صیغہ پڑھا ہو
سو اس کو ہے غم وہ جسے کیے غم ہے — کہ دق اس کی صورت نہ یوں برملا ہو

نہیں سوز ، دل سے کوئی بھی نہ رویا
پھر ان سے امید وفا کیا بجا ہو

وفات:

اپنے ممدوح یعنی نواب آصف الدولہ کی وفات کے بعد میر سوز زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے - اور ۱۲۱۳ ہجری مطابق ۱۷۹۸ء میں وفات پائی - شاہ کمال نے تاریخ وفات کہی :-

از وفاتش دلم بہ سوخت چو شمع — القصش بود چوں بہ آب و بگلم
طبع من چوں الم کشید کمال — گفت تاریخ " سوز سوخت دلم "
۱۲۱۳ ہجری

جرأت نے یہ مرثیہ کہا :-

سوز ماتم نے میر سوز کے آہ — شمع ساں بس جلا دیا دل کو
مٹ گیا لطفِ ریختہ گوئی — خاک پھر دے سخن مزا دل کو
خاک میں مل گئی ادا بندی — گفتگو اب خوش آوے کیا دل کو
کہی جرأت نے رو کے یہ تاریخ — داغ اب سوز کا لگا دل کو
۱۲۱۳ ہجری

منو لال زاری لکھنوی نے مادۂ تاریخ اس طرح نکالا :

" وائے داغی ماندہ از سوز "

(۱۲۱۳ ہجری)

مندرجہ ذیل قطعہ ناسخ سے منسوب ہے اگرچہ ان کے دیوان میں یہ قطعہ نہیں ملتا - اس قطعے میں سنہ وفات لفظ " واویلا " سے ۱۲۰۸ ہجری برآمد ہوتا ہے-

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے ہائے صاحب کمال واویلا
سالِ تاریخ ہی سہی ناسخ شاعرِ بے مثال واویلا

۱۲۰۸ ہجری

علی لطف (۱۳۰) اور ان کی اتباع میں دوسرے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں میر سوز بلادِ شرقیہ کے سفر پر نکلے' لیکن وہاں اطوار سکونت کے نظر نہ آئے' ناچار واپس آ گئے اور ۱۲۱۳ ہجری (مطابق ۱۷۹۸ء) میں وفات پائی - ہمارے اپنے نقطۂ نظر سے میر سوز بلادِ شرقیہ ، فرخ آباد کو چھوڑنے کے بعد گئے - علی لطف کو کچھ مغالطہ ہوا ہے یا سنہ کی کوئی غلطی ہوئی ہے جو آخر تک قائم رہی اور تمام تذکرہ نگار اس کو قریب العہد شہادت سمجھ کر قبول کرتے رہے - یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ نواب آصف الدولہ کے استاد ہو کر بھی وہ اتنے مفلوک الحال رہے ہوں کہ فکرِ معاش میں اس عالمِ پیری میں در در کی ٹھوکریں کھائیں جب کہ لکھنؤ کے تمام امراء ان کی خدمت کرنا وجہ سعادت اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے - (۱۲۱) پھر بھی اگر گلشنِ ہند کی شہادت کو قریب العہد شہادت ہونے کے باعث قبول کرنے پر اصرار کیا جائے تو سوز کا بلادِ شرقیہ کا یہ دوسرا سفر تھا جو چند ماہ سے زیادہ نہ تھا -

تذکروں میں میر سوز کی عمر پر اختلاف پایا جاتا ہے - مصحفی اپنے تذکرۂ ہندی میں جس کی تصنیف کا سالِ اختتام ۱۲۰۸ ہجری مطابق ۱۷۹۳ء ہے' ان کی عمر ستر سال سے متجاوز بیان کرتے ہیں (۱۳۲) محمد حسین آزاد نے ان کی عمر ستر سال قرار دی ہے (۱۲۳) خوش معرکۂ زیبا (۱۳۴) ، تذکرۂ طورِ کلیم (۱۳۵) ، سخنِ شعراء (۱۳۶) اور دیوانِ جہاں (۱۳۷) میں اسّی سال لکھی گئی ہے - میر سوز نمبر (۱۳۸) میں ستر سال کا تعین کیا گیا ہے - میر سوز کی عمر کے بارے میں یہ تمام فیصلے قیاسی ہیں - سب سے زیادہ مستند شہادت شاہ کمال کی ہے - انھوں نے میر سوز کا اپنا قول نقل کیا ہے کہ میر سوز کہتے تھے کہ وہ سودا سے عمر میں ایک سال بڑے تھے - اس طرح وہ ۱۱۲۴ ہجری مطابق ۱۷۱۲ء میں پیدا ہوئے - شاہ کمال ۱۲۱۹ ہجری مطابق ۴-۱۸۰۳ء میں اپنے تذکرے "مجمع الانتخاب"

میں لکھتے ہیں کہ چھے سال کا عرصہ ہوا کہ انھوں نے عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔اس طرح ان کی عمر چھیاسی سال کے قریب ہوتی ہے۔

شاہ کمال لکھتے ہیں کہ وہ اور میر سوز انیس سال ایک ساتھ رہے کبھی شاہ کمال ان کے گھر پر حاضری دیتے تھے اور کبھی میر سوز ان کے مکان پر جاتے تھے - اس قریبی شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ قبول کرنا پڑے گا کہ میر سوز نے چھیاسی سال کے قریب عمر پائی - شاہ کمال بھی ان کی عمر اسّی سال سے اوپر لکھتے ہیں - (۱۳۹)

میر سوز نے کس جگہ وفات پائی اور کہاں دفن ہوئے - اس بارے میں بھی مختلف روایتیں ہیں - گارسین دتاسی (۱۴۰) ، علی لطف (۱۴۱) ، سرور (۱۴۲) ، قاسم (۱۴۳) ، کریم الدین فیلن (۱۴۵) ، صفا (۱۴۶) ، شیدا (۱۴۷) ، عشرت (۱۴۸) ، کہتے ہیں کہ ان کی وفات لکھنؤ میں ہوئی - شاہ کمال (۱۴۹) ، یکتا (۱۵۰) ، محسن (۱۵۱) ، سعادت یار خان (۱۵۲) ، اس باب میں خاموش ہیں - بینی نرائن (۱۵۳) ، نورالحسن خاں (۱۵۴) ، نسّاخ (۱۵۵) کہتے ہیں کہ ان کی وفات تہر ، ضلع شاہ جہاں پور میں ہوئی - خواجہ عبدالرؤف عشرت سوز کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ " میر سوز کے مزار کو میں نے بہت تلاش کیا اور لوگوں سے دریافت کیا مگر اب تک پتا نہیں ملا -" (۱۵۶) مقامِ حیرت ہے کہ عشرت کو میر سوز کی قبر کا کوئی نشان نہ ملا - میر سوز کوئی معمولی شخصیت کے انسان تو نہیں تھے کہ زمانہ ان کو اتنی جلد بھلا دیتا - ایسا اس وقت ہو سکتا ہے جب ان کی تدفین لکھنؤ میں ہوئی ہی نہ ہو اور اس وجہ سے بینی نرائن کی روایت بے حقیقت معلوم نہیں ہوتی - بلا وجہ تہر کا ذکر نہیں کیا جا سکتا - سوز کا تہر سے ضرور کوئی تعلق ہو گا جس کے بعد تہر کا ذکر کیا گیا ہے۔یہی مصنف شیر علی افسوس کے بارے میں لکھتا ہے کہ " لکھنؤ میں ہمیشہ رہے ان کی شاعری کی شہرت یہیں ہوئی۔مرنے کے بعد نشانِ قبر بھی نہیں ملتا -" (۱۵۷) صاحبِ آبِ بقا کی یہ اطلاع غلط ہے کہ افسوس کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔دراصل وہ کلکتے میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے - لہٰذا لکھنؤ میں نشانِ قبر ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - ہو سکتا ہے کہ سوز کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہو، ہو سکتا ہے کہ تہر ہی میں کسی تعلق کی بنا پر مقیم ہوں اور وہیں وفات پائی ہو۔اس لیے مصنف آبِ بقا کی روایت مشکوک ہو جاتی ہے۔

سیرت:

میر سوز فطرتاً خوش طبع (۱۵۸) ، نازک مزاج ، زود رنج ، نکتہ سنج ، خلیق بامزہ (۱۵۹) دانشمند ، بلند فطرت، متواضع ، متوکل ، جوہر شناس ، (۱۶۰) ہنس مکھ ، ظریف الطبع تھے - دوسروں کے لیے ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار کرتے تھے ، مزاج میں کمال کا استغنا(۱۶۱) تھا- محبت

پرور اور مخلص انسان تھے (۱۶۲) ان کا رویہ بزرگانہ اور صفات درویشانہ تھیں - (۱۶۳) مزاج میں عالی حوصلگی ، درویشی ، اخلاص اور عالی نسبی کی خصوصیات رچی ہوئی تھیں (۱۶۴) نہایت پُر مزاح اور خوش گفتار تھے ان کی وضع شریفانہ اور اطوار شائستہ تھے (۱۶۵) بہت خوش طبع اور لطیفہ گو (۱۶۶) تھے - گفتگو بہت دل پسند ہوتی تھی - امراء و سلاطین کی صحبت میں رہنے کے آداب سے خوب واقف تھے - وہ ہمیشہ امرائے نامدار کی صحبت میں رہے (۱۶۷) اور غریبوں اور حاجت مندوں کی سفارش اور حاجت براری کے لیے کوشاں رہتے تھے (۱۶۸) ابتدائی زمانے میں آزادانہ زندگی گزارتے تھے لیکن آخیر عمر میں اپنی نیک طبعی کے باعث دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا - اور درویشانہ زندگی گزارنے لگے - (۱۶۹) ان کا ظاہر اور باطن ایک تھا' بغض اور حسد سے ان کا دل پاک تھا - (۱۷۰)

کوئی تذکرہ نگار ایسا نہیں جس نے میر سوز کی تعریف نہ کی ہو - ان کا حسنِ سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا - بزرگوں کا احترام ، ہم عصروں کے ساتھ ارتباط و اختلاط اور خوردوں کے ساتھ شفقت و محبت ان کا مسلک تھا - عاجزی اور انکساری ان کے مزاج کا خاصّہ تھی سب نے ان کو آنکھوں میں جگہ دی - کسی تذکرہ نگار نے ان کے بارے میں ناپسندیدگی کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے - ایسے دور میں جب کہ شاعروں میں آئے دن معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی سوز ہی ایسے شاعر ہیں جن کا کوئی شاکی نہیں - انھوں نے نہ کسی کی مدح کی اور نہ کسی کی ہجو ، اسی بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے سلیم الطبع ، باوقار ، اور غیرت مند انسان تھے - بے جا خوشامد وہی کرے گا جس کو دنیاوی لالچ ہو گا اور دوسروں کی پگڑی وہی اتارے گا جس کو اپنی پگڑی اتارے جانے میں ننگ و عار محسوس نہ ہو گا - غالباً خواجہ میر درد کے بعد صرف سوز ایسے شاعر ہیں جن کی تعریف میں سب رطب اللسان ہیں - سوز میں عفو و درگذر کا بے حد مادہ تھا - تذکروں میں جن واقعات کو بیان کیا گیا ہے' اگر وہ صحیح ہیں تو میر تقی میر نے ہمیشہ ان پر طنز و طعن کیے لیکن سوز نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا - وہ میر سے عمر میں زیادہ تھے - دنیاوی منصب و وقار اور خاندانی شرافت و نجابت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں تھا - لیکن انھوں نے ہمیشہ خاکساری کو اپنا شیوہ بنائے رکھا - میر تقی میر نے ان کا تخلص چھینا' انھوں نے دوسرا تخلص اختیار کر لیا - رشک و رقابت اور شاعرانہ حسد ان میں بالکل نہ تھا وہ دوسروں کو کمتر سمجھنے کی بجائے خود کو حقیر گردانتے تھے - سوز کی سیرت کا یہ بہت عظیم الشان پہلو ہے -

وہ سلامت روی کے قائل تھے کسی سے تعلق ، اختلاف ، اعتراض یا تکرار کرنا ان کی عادت نہ تھی - ان کے دل میں سب کے لیے جگہ تھی - اور سب کے درد کا احساس ان کو تھا - ان کا عقیدہ تھا کہ ستانے والا خود بھی ستایا جا سکتا ہے :-

پھر بھی کہتا ہوں تجھے یوں سوز کو اب مت ستا
مت ستا ظالم کہیں تو بھی ستایا جائے گا

خوش مذاقی اور زندہ دلی سوز کی شخصیت کو اور دلاویز بنا دیتی ہے ان کے مزاج میں ظرافت اور خوش طبعی کا عنصر غالب تھا - ایک خاص قسم کی شوخی ، بے باکی اور تیکھا پن ان کی ذات کو دل چسپ اور پر کشش بنا دیتی ہے - مجموعی طور پر سوز اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے - اپنے دور میں ان کی شخصیت منفرد تھی - انھوں نے سب سے نبھائی نہ کسی کو ایک حرف کہا اور نہ کسی سے کچھ سنا اور یہ ثابت کر دیا کہ شاعر ملوک و سلاطین سے بھی ناز اٹھوا سکتا ہے اور مصاحبت کے درجے سے بلند ہو کر مُربیانہ مقام بھی حاصل کر سکتا ہے-

تذکروں سے تو ان کی سیرت اور کردار پر روشنی پڑتی ہے ان کے کلام میں بھی ان کی ذات سموئی ہوئی ہے ذیل میں کچھ اشعار دیے جاتے ہیں جو ان کی سیرت کی مکمل تصویر پیش کر دیتے ہیں -

خلق

یہ سوز تیرے ہم نے' خلقِ حسن میں دیکھا بے گانہ و یگانہ' ہیں ایک مرتبے پر

خاکساری

کہیں ہیں شاہ جسے نسبت فقیری سے وہی ہے مرتبۂ انکسار سے آگاہ

مذمتِ غیبت

عزیزو تم زباں اپنی سنبھالو مت کرو غیبت میں سب سنتا ہوں گرچہ میرے اوپر حالتِ غش ہے

سخاوت

مفلس ہمیں نہ بوجھ جو رکھتے نہیں ہیں ہم خالی ہمیشہ کیسۂ اہلِ کرم رہے
دولتِ اہلِ کرم کو ہے کہاں بیمِ زوال دُر سے ہوتا ہے کہاں کیسۂ دریا خالی

مساوات

فرق اتنا ہے کہ تم صاحب کہائے ہم غلام　　آدم و حوا یہیں سب ایک کی اولاد ہیں

مذمتِ دلآزاری

شمشیر سے زیادہ ہے کہنا کسی کو سخت　　مرہم پذیر زخم نہیں ہے زبان کا
دل خراشی سے کوئی جرم نہیں بالا تر　　گو دل افگار ہوں لیکن تو دل افگار نہ ہو
دکھ دے نہ کسی دل کے تمیں باغِ جہاں میں　　گر نخلِ حیات اپنی سے چاہے تو ثمر لے

مذمتِ دغا

جس کی طینت میں دغا ہے آپ ہوتا ہے خراب　　خوشۂ گندم کو دیکھو کب سے دانہ دان ہے

وضع داری

میں اپنی وضع کو کاہے کو چھوڑوں لے کہ نہ لے　　وہ پھر کے دیکھے نہ دیکھے مجھے سلام سے کام
ہمیں یقیں ہے کہ محبوب بے وفا ہیں سب　　وفا کو اپنی مرے مہربان کیا کیجے

پاسِ عہد

مردوں کی ایک بات ہے نزدیک سوز کے　　مانندِ خامہ ان کی نہ پلٹے زباں غلط

خودداری

میں تجھ کو کہتا ہوں سوز بس لکھ، اگر تو عزت کا ہے گا طالب
جھکا نہ سر کو کسی کے آگے، اگر سلامی ہو بادشا ہی
سنے نہ یار تو دل کا بیان کیا کیجے　　سخن کو اپنے عبث رائیگان کیا کیجے

توکّل

آپ سے آپ جا کے پہنچے گا　　جس جگہ جس کا آب و دانہ ہے
خدا کے در پہ بیٹھ اے سوز یوں واہی نہ پھر در در
کہ وہ پیدا کیے کی شرم کو اپنی نبھاتا ہے

استغنا

تارک الدنیا ہو گر چاہے کہ خوش گذرے تری
جب پڑا دھوکے میں اس کے شادمانی پھر کہاں

کیا لے لیا تھا ہم نے الجھتا جو کوئی خار
جوں گل ہم اس کے باغ سے دامن فشاں چلے

ہم تو مستغنی الاحوال ہیں عریانی سے
جامہ رکھتا ہو جو کوئی تو لپارے دامن

ترکِ لذّات

شکر ہے اس کا زباں کی ہم نے لذت چھوڑ دی
جو ملا سو کھا لیا تھا خواہ شیریں خواہ تلخ

اولاد و احفاد:

تذکروں میں میر سوز کے دو صاحبزادوں کا ذکر ملتا ہے - تیسرے صاحبزادے کا تذکروں سے کوئی سراغ نہیں ملتا' البتہ میر سوز نے خود ان کا ذکر کیا ہے - سب سے بڑے صاحبزادے کا نام میر مہدی تھا - غالباً یہ سب سے بڑے لڑکے تھے - مہدی شاعر تھے پہلے آہ تخلص کرتے تھے پھر داغ اختیار کیا - ہر دو تخلص باپ کے تخلص کی رعایت سے منتخب کیے گئے تھے - میر مہدی عشق پیشہ نوجوان تھے کسی حسینہ پر عاشق تھے اور اس کی جدائی کے غم میں مر گئے - دوسرے صاحبزادے کا نام قدرت علی تھا وہ بھی شاعر تھے اور اپنے والد کے تخلص کی رعایت سے طپاں تخلص کرتے تھے - صفا (۱۷۱) نے ان کو میر سوز کا شاگرد لکھا ہے - ان دونوں کے علاوہ تیسرے صاحب زادے کا سراغ اور ملتا ہے وہ میر مہدی کی وفات کے بعد فوت ہوئے ان کا ذکر سوز نے میر مہدی کے مرثیہ میں کیا ہے :-

میر مہدی تم گئے جنت کو آہ — پر پدر کے داغ دل پر دھر گئے
بھائی کو اپنے بلایا اپنے پاس — باپ کو پوچھا نہ تم کیدھر گئے

سوز کے ان تیسرے صاحبزادے کا کیا نام تھا اور انھوں نے کتنی عمر میں رحلت کی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا -

میر سوز کی نسل سید قدرت علی طپاں سے چلی ان کے لڑکے سید علی حسن دہلوی کا ذکر عبدالغفور نسّاخ نے کیا ہے - (۱۷۲) یہ بھی شاعر تھے اور تخلص شرر تھا - نسّاخ نے شرر کے بارے میں کچھ مزید نہیں لکھا' حالاں کہ ان کے شرر سے خاصے مراسم تھے - کاش نسّاخ کچھ تفصیلات اور دیتے تو سوز کے خاندان کا حال تفصیل سے معلوم ہو سکتا تھا -

کیا میر سوز کی کوئی صاحبزادی بھی تھی؟ اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا - تاہم میر سوز کے ان اشعار کو پڑھا جائے جو انھوں نے عظیم آباد میں کہے تھے تو ان میں ایک شعر قابل غور ہے :-

قرض کو اپنے اتاروں اور کروں کارِ خیر　　جس کی خاطر میں پڑا پھرتا ہوں در دریوں خراب

اگر کارِ خیر قرض کی ادائیگی کے لیے استعمال نہیں کیا گیا ہے تو محاورے میں اس کے معنی لڑکی کی شادی کے لیے جاتے ہیں - اس لیے کارِ خیر کر لینے کی آرزو یہ بتاتی ہے کہ سوز کی کوئی لڑکی بھی تھی -

تذکروں میں میر سوز کے ایک متبنیٰ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا نام میر فتح علی تھا وہ قصبۂ مٹو شمس آباد کے رہنے والے تھے - شاعر تھے اور شیدا تخلص تھا - سودا کے شاگرد تھے اور لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے حفاظتی دستے میں شامل تھے - نواب آصف الدولہ کے مصاحب تھے اور پانچ سو کا امتیاز حاصل تھا (۱۷۳)

میر سوز کے متبنیٰ کی موجودگی سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ ان کی اپنی اولاد دیر سے ہوئی' حد یہ کہ اپنی اولاد سے مایوس ہو کر فتح علی کو اپنا بیٹا بنا لیا - اس اعتبار سے میر مہدی داغ کی پیدائش کے سنہ کا جو تعین ہم نے کیا ہے وہ تقریباً صحیح ہے -

○○○

کتابیات

تذکرے: (اور ادبی تاریخیں)

۱۔ ابن امین اللہ طوفان : تذکرۃ الشعراء ، مرتبہ قاضی عبدالودود ، پٹنہ ، ادارۂ تحقیقات اردو ۱۹۵۴ء

۲۔ سید احمد علی یکتا : دستور الفصاحت ، مرتبہ امتیاز علی عرشی، رام پور ، ہندوستان پریس ۱۹۴۳ء

۳۔ احمد حسین سحر : بہارِ بے خزاں ، دہلی ، کوہ نور پرنٹنگ پریس ، ۱۹۱۸ء

۴۔ اسپرینگر : یادگارِ شعراء ، مرتبہ محمد طفیل احمد ، الہ آباد ، ہندوستانی اکیڈمی ۱۹۴۳ء

۵۔ بینی نرائن جہاں : دیوانِ جہاں ، مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ ، لیبل لیتھو پریس ، ۱۹۵۹ء

۶۔ حامد حسن قادری : داستانِ تاریخِ اردو ، کراچی ، اردو اکیڈمی سندھ ، ۱۹۶۶ء

۷۔ خواب چند ذکا : عیار الشعراء (عکس) مملوکۂ انجمن ترقی اردو، کراچی۔

۸۔ دیبی پرشاد : تذکرۂ شعرائے ہنود ، دہلی ، رضوی پریس ، ۱۲۹۹ھ

۹۔ رحمان علی خاں : ریاض الامراء ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، ۱۸۶۶ء

۱۰۔ رحمان علی : تذکرۂ علمائے ہند ، مرتبہ ایوب قادری ، کراچی پاکستان ھسٹاریکل سوسائٹی ، ۱۹۶۱ء

۱۱۔ رام بابو سکسینہ : تاریخِ ادبِ اردو ، لاہور ، لاہور اکیڈمی ، ۱۹۶۷ء

۱۲۔ سعادت خاں ناصر : خوش معرکۂ زیبا (قلمی) مملوکۂ انجمن ترقی اردو ، کراچی۔

۱۳۔ سری رام : خم خانۂ جاوید ، دہلی ، مخزن پریس ، ۱۳۳۵ھ

۱۴۔ سعادت یار خاں رنگین : مجالسِ رنگیں ، ترجمہ شیر علی خان سرخوش ، سن ندارد ۔ گیلانی پریس لاہور

۱۵۔ شاہ کمال : مجمع الانتخاب (قلمی) ایشیاٹک سوسائٹی ، نقل مخزونۂ انجمن ترقی اردو کراچی

۱۶۔ صفدر علی خاں صفدر : بزمِ خیال ، ..... مطبع عربزی ، سن ندارد

۱۷۔ عبدالرؤف عشرت لکھنوی : آبِ بقا ، مرتبہ جعفر نشتر ، لکھنؤ، نامی پریس ، ۱۹۱۸ء

۱۸۔ عبدالباری آسی لکھنوی : تذکرۃ المخواتین ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، سن ندارد

۱۹۔ عبدالغفور نسّاخ : سخنِ شعراء ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، ۱۸۷۴ء

۲۰۔ عبدالجبار خاں ملکاپوری : شعرائے دکن ، حیدرآباد دکن ، مطبع رحمانی ، ۱۳۳۹ھ

۲۱۔ عبدالحی صفا : شمیم سخن ، مراد آباد ، مطبع امداد الہند و عین الاخبار ، ۱۲۸۸ھ

۲۲۔ عبدالشکور شیدا : بیاض سخن ، حیدرآباد دکن ، زندہ طلسمات پریس ، ۱۳۵۵ھ

۲۳۔ عبدالسلام ندوی : شعرالہند ، اعظم گڑھ ، دارالمصنفین ، ۱۹۴۹ء

۲۴۔ عبدالحی لکھنوی : گل رعنا ، لاہور ، عشرت پبلشنگ ہاؤس ، ۱۹۶۴ء

۲۵۔ علی ابراہیم خاں خلیل : گلزار ابراہیم (قلمی) مملوکہ انجمن ترقی اردو ، کراچی

۲۶۔ علی لطف : گلشن ہند ، مرتبہ شبلی و عبدالحق ، لاہور ، دارالاشاعت ، ۱۹۰۶ء

۲۷۔ علی حسن خاں : بزم سخن ، آگرہ ، مفید عام پریس ۱۲۹۸ھ

۲۸۔ غلام ہمدانی مصحفی : تذکرۂ ہندی ، مرتبہ عبدالحق ، دہلی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۳۵ء

۲۹۔ غلام ہمدانی مصحفی : ریاض الفصحا ، ایضاً ، ۱۹۳۹ء

۳۰۔ غلام حسین شورش : تذکرۂ شعرا (دو تذکرے) مرتبہ کلیم الدین احمد ، پٹنہ لیبل لیتھو پریس ۱۹۵۹ء

۳۱۔ غلام محی الدین ہبتلا میرٹھی : طبقات سخن (قلمی) مملوکہ گاندھی فیض عام کالج شاہجہاں پور

۳۲۔ فصیح الدین رنج میرٹھی : بہارستان ناز ، میرٹھ ، مطبع عثمانی ، ۱۸۸۲ء

۳۳۔ فتح علی گردیزی : تذکرۂ ریختہ گویاں ، مرتبہ عبدالحق ، اورنگ آباد ، انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ء

۳۴۔ فرزند احمد صغیر بلگرامی : جلوۂ خضر ، آرہ ، مطبع نورالانوار ، ۱۸۸۵ء

۳۵۔ قدرت اللہ شوق : طبقات الشعراء ، مرتبہ نثار احمد فاروقی ، لاہور ، مجلس ترقی ادب ، ۱۹۶۸ء

۳۶۔ قدرت اللہ قاسم : مجموعۂ نغز ، مرتبہ محمود شیرانی ، لاہور ، پنجاب یونیورسٹی ، ۱۹۳۲ء

۳۷۔ قطب الدین باطن : گلستان بے خزاں ، لکھنؤ ، نول کشور پریس ، ۱۲۹۱ھ

۳۸۔ کریم الدین و فیلن : طبقات شعرائے ہند ، دہلی ، مطبع العلوم مدرسہ دہلی ، ۱۸۴۸ء

۳۹۔ گارسیں دتاسی : تاریخ ادب ہندوستانی ، مترجم لیلیان نذرو ، کراچی یونیورسٹی ، کراچی

۴۰۔ لچھمی نرائن شفیق : گلستان شعراء ، اورنگ آباد ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۲۸ء

۴۱۔ میر تقی میر : نکات الشعرا ، دہلی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۳۵ء

۴۲۔ قیام الدین قائم چاندپوری : مخزن نکات ، اورنگ آباد ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۲۹ء

۴۳۔ میر حسن : شعرائے اردو ، اورنگ آباد ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۲۳ء

۴۴۔ مروان علی خان ہبتلا لکھنوی گلشن سخن ، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب ، لکھنو ، نظامی پریس ، ۱۹۶۵ء

۴۵۔ سرور ، میر محمد خاں اعظم

الدولہ
: عمدۃ المنتخبہ ، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی دہلی ، دہلی یونیورسٹی ، ۱۹۶۱ء
۴۶۔ مصطفےٰ خاں شیفتہ : گلشنِ بے خار ، لکھنؤ ، نول کشور پریس ، ۱۹۱۰ء
۴۷۔ محمد حسنین شاہجہانپوری : ریاض الفردوس ، لکھنؤ ، ۱۸۸۶ء
۴۸۔ محسن علی محسن لکھنوی : سراپا سخن ، کانپور ، نول کشور پریس ، ۱۸۶۰ء
۴۹۔ محمد حسین آزاد : آبِ حیات ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، سن ندارد
۵۰۔ محمد یحییٰ تنہا : مرآۃ الشعراء ، لاہور ، عالم گیر الیکٹرک پریس ، ۱۹۴۵ء
۵۱۔ نصر اللہ خان خویشگی خورجوی گلشنِ ہمیشہ بہار ، مرتبہ اسلم فرخی ، کراچی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۶۷ء
۵۲۔ نورالحسن خاں : طورِ کلیم ، آگرہ ، مفید عام پریس ، ۱۲۹۸ ہجری
۵۳۔ وجیہ الدین عشقی : تذکرۂ عشقی مشمولہ دو تذکرے / مرتبہ کلیم الدین احمد ، پٹنہ ، لیبل لیتھو پریس ، ۱۹۵۹ء

انتقادات:

۵۴۔ ابواللیث صدیقی : مصحفی اور ان کا کلام ، لاہور ، اردو مرکز ، سن ندارد
۵۵۔ ابواللیث صدیقی : جرأت اور ان کا عہد ، لاہور ، اردو مرکز ، ۱۹۵۳ء
۵۶۔ ابواللیث صدیقی : لکھنؤ کا دبستان شاعری ، لاہور ، اردو مرکز ، ۱۹۵۵ء
۵۷۔ اعجاز حسین : مذہب اور شاعری ، کراچی ، اردو اکیڈمی سندھ ، ۱۹۵۵ء
۵۸۔ ثناء الحق : میر و سودا کا دور ، کراچی ، ادارۂ تحقیق و تصنیف ، ۱۹۶۵ء
۵۹۔ شیخ چاند : سودا ، کراچی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۶۴ء
۶۰۔ نورالحسن ہاشمی : دلی کا دبستان شاعری ، کراچی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۴۹ء ۔
۶۱۔ نیاز فتح پوری : انتقادیات ، لاہور ، مکتبۂ معین الادب ، سن ندارد۔

تواریخ:

۶۲۔ ایچ ایچ ڈاڈ ویل : کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ، جلد ششم ، مطبوعہ لندن ۔
۶۳۔ جے سی مارش مین : تاریخ ہند ، ترجمہ محمد عبدالسلام ، حیدرآباد دکن ، جامعہ عثمانیہ ، ۱۹۳۳ء
۶۴۔ خلیق احمد نظامی : تاریخ مشائخ چشت ، دہلی ، ندوۃ المصنفین ، ۱۹۵۳ء
۶۵۔ درگاہ قلی خاں : مرقعِ دہلی ، حیدرآباد دکن ، تاج پریس ، سن ندارد

۶۶۔ سید محمد میر : تواریخِ اودھ ، لکھنؤ، نول کشور پریس، ۱۸۹۶ء

۶۷۔ کمال الدین حیدر : تاریخِ اودھ ، لکھنؤ، نول کشور پریس ۱۹۰۷ء

۶۸۔ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی : تاریخِ فرخ آباد ، مترجم محمد ایوب قادری ، کراچی ، ایجوکیشنل کانفرنس ، ۱۹۶۵ء

۶۹۔ ولزلی ھیگ اور رچرڈ برد : کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ، جلد چہارم ، لکھنؤ ، ایس چاند اینڈ کو ، ۱۹۵۷ء

دواوین و کلیات:

۷۰۔ انشاء : کلیاتِ انشاء ، لکھنؤ، مطبع نول کشور ، ۱۸۹۳ء ۔

۷۱۔ تابان : دیوانِ تابان ،مرتبہ عبدالحق ، کراچی ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۳۵ء ۔

۷۲۔ حاتم : کلیاتِ حاتم ، مرتبہ غلام حسین ذوالفقار (بنام شاہ حاتم) لاہور ، مکتبۂ خیابان ، ۱۹۶۴ء ۔

۷۳۔ حاتم : کلیاتِ حاتم (قلمی مملوکۂ انجمن ترقی اردو) کراچی ۔

۷۴۔ حسن : دیوانِ میر حسن ، لکھنؤ، مطبع نول کشور ، ۱۹۱۲ء ۔

۷۵۔ درد : دیوانِ درد ، مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی ، لاہور، مجلسِ ترقیٔ ادب ۱۹۶۲ء ۔

۷۶۔ سودا : کلیاتِ سودا ، مرتبہ عبدالباری آسی ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، ۱۹۳۲ء ۔

۷۷۔ غالب : دیوانِ غالب ، تاج ایڈیشن ، لاہور ، تاج کمپنی ،

۷۸۔ فغان : دیوانِ فغان ، مرتبہ صباح الدین عبدالرحمن ،کراچی ، انجمن ترقیٔ اردو ۱۹۵۰ء ۔

۷۹۔ قائم : کلیاتِ قائم ، مرتبہ اقتدار حسن ، لاہور ، مجلسِ ترقیٔ ادب ، ۱۹۶۵ء

۸۰۔ کلیاتِ میر ، مرتبہ عبادت بریلوی ، کراچی اردو دنیا ، سنہ ۔۔۔ ۔

۸۱۔ مصحفی : کلیاتِ مصحفی ، مرتبہ نورالحسن ،لاہور، مجلسِ ترقیٔ ادب ، ۱۹۶۸ء

۸۲۔ ناسخ : دیوانِ ناسخ ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، سنہ ندارد ۔

۸۳۔ نظیر : کلیاتِ نظیر ، مرتبہ عبدالباری آسی ، لکھنؤ، نول کشور پریس ، ۱۹۵۱ء ۔

۸۴۔ یقین : دیوانِ یقین ، مرتبہ فرحت اللہ بیگ ، اورنگ آباد ، انجمن ترقیٔ اردو ، ۱۹۳۰ء ۔

رسائل:

۸۵- اردوے معلیٰ ، : دہلی یونیورسٹی میر سوز نمبر ، ۱۹۶۲ء -
۸۶- اردو ، کراچی ، سہ ماہی : جنوری ۱۹۵۹ء مضمون بر شاہ کمال از نصیر الدین ہاشمی -
۸۷- اورینٹل کالج میگزین ، مئی ، اگست ،
۱۹۶۲ء مضمون میر سوز پر
از کلب علی خاں فائق -
۸۸- اردوے معلیٰ - : رئیس المطابع کانپور ، انتخابِ دیوان میر سوز مرتبہ حسرت موہانی

دینیات:

۸۹- قرآنِ پاک ، : تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ، لاہور تاج کمپنی لمیٹڈ
۹۰- ابو محمد حسین بن مسعود : مشکوۃ المصابیح - کراچی ، اصح المطابع ، ۱۳۶۸ء

متفرقات:

۹۱- ابو نصر محمد خالدی : تقویم ہجری و عیسوی ، کراچی ، انجمن ، مطبوعہ ۱۹۵۰ء
(بہ نظرِ ثانی محمود احمد خاں)
۹۲- رجب علی بیگ سرور فسانۂ عجائب ، لاہور ، رحمانی پریس ، ۱۹۶۷ء -

(آئندہ شمارے میں میر سوز کے تلامذہ و معاصرین پر مقالہ پیش کیا جائے گا -)

حواشی

(۱) سخاوت مرزا : " حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت " ، حیدرآباد دکن ، انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز،۱۹۶۲ء ، صفحہ ۹ -

(۲) ایوب قادری ، محمد: " مخدوم جہانیاں جہاں گشت " ، کراچی ، ادارۂ تحقیق و تصنیف ، ۱۹۵۵ء ،صفحہ ۷۷ ـ

(۲) سخاوت مرزا : " محولۂ بالا " ، صفحہ ۱۰ -

ایوب قادری ، محمد : " محولۂ بالا " ، صفحہ ۸۱ ـ

(۳) دارا شکوہ : " سفینۃ الاولیا " ، مرتبہ محمد علی لطفی ، کراچی ، نفیس اکیڈمی ، ۱۹۶۱ء ،صفحہ ۱۵۴ ـ

(۴) سخاوت مرزا : " محولۂ بالا " ، صفحہ ۱۱۹ ـ

(۵) سخاوت مرزا : " محولۂ بالا " صفحہ ۱۱۹ ـ

(۶) گ - ہ ، صفحہ ۱۵۱ ـ

(۷) آزاد : محمد حسین : "آبِ حیات " لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، سنہ ندارد ، ص ۲۳۶ ـ

(۸) شیفتہ ، مصطفیٰ خاں : " گلشنِ بے خار " (اردو ترجمہ) کراچی ، نفیس اکیڈمی ،۱۹۶۳ء ، صفحہ ۱۴۹ ـ

(۹) باطن ، قطب الدین : " گلستانِ بے خزاں " ، لکھنؤ ، مطبع منشی نول کشور ١٢٩١ ھجری ، صفحہ ۱۱۵ ـ

(۱۰) شاہ کمال : " مجمع الانتخاب " ، (قلمی) رائل ایشیاٹک سوسائٹی ، لندن ، نقل کتب خانہ انجمن ترقیٔ اردو کراچی ، صفحات ۹۶-۳۹۵ -

(۱۱) صفحہ ۱۸۳ ـ

(۱۲) ثناء الحق : " میر و سودا کا دور" ، کراچی ، ادارۂ تحقیق و تصنیف ، ۱۹۶۵ء صفحہ ۲۷۴ ـ

(۱۳) نیاز فتح پوری ، " انتقادیات " لاہور ، مکتبۂ معین الادب ،صفحہ ۱۱۴ ـ

(۱۴) فتح علی گردیزی ، " تذکرۂ ریختہ گویان " مرتبہ عبدالحق ، مطبوعہ ۱۹۳۳ء ، صفحہ ۱۳۸ ـ

قائم ، قیام الدین : " مخزنِ نکات " اورنگ آباد ، انجمن ترقیٔ اردو ، ۱۹۲۹ء ص ۱۳۲-۱۳۱ ـ

لچھمی نرائن شفیق : " چمنستانِ شعراء " اورنگ آباد ، انجمن ترقیٔ اردو ، صفحہ ۲۸۳ ـ

شوق ، قدرت اللہ : " طبقات الشعراء " مرتبہ نثار احمد فاروقی ، لاہور ، مجلسِ ترقیٔ ادب ، ۱۹۶۸ء ، صفحہ ۲۳۱ ـ

ش - ا ، صفحہ ۱۱۷ ۔
مصحفی ، غلام ہمدانی : تذکرۂ ہندی ، مرتبہ عبدالحق ، دہلی ، جامع برقی پریس، ۱۹۳۷ء ، صفحہ ۱۱۱ ۔
قاسم ، قدرت اللہ : " مجموعۂ نغز " مرتبہ محمود شیرانی ، لاہور ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۳۳ء، صفحہ ۵۷ ۔
کریم الدین و فیلن : " طبقات الشعراء " ، مطبع العلوم مدرسۂ دہلی ، ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۷۷
نصر اللہ خان : " گلشنِ ہمیشہ بہار " ، مرتبہ اسلم فرخی ، کراچی ، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان ، ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۸۲ ۔
خار صفحہ ۱۴۱ ۔

(۱۵) گ - ه - صفحہ ۱۵۱ ۔

(۱۶) یکتا ، احد علی : " دستور الفصاحت " مرتبہ امتیاز علی عرشی ، رام پور ، ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء ، صفحہ ۵۰ ۔

(۱۷) مبتلا ، مرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خاں : " تذکرۂ گلشنِ سخن " مرتبہ مسعود حسن رضوی ، لکھنو ، نظامی پریس، ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۵۰ ۔

(۱۸) محسن ، محسن علی : " تذکرۂ سراپا سخن " کان پور ، نول کشور پریس، ۱۸۶۱ء صفحہ ۹۸ ۔

(۱۹) خواجہ احمد فاروقی (مرتب) : " اردوے معلی" میر سوز نمبر ، دہلی ، دہلی یونیورسٹی ۱۹۶۳ء ، صفحہ ۱۱ ۔

(۲۰) ابو محمد الحسن بن مسعود : " مشکوۃ المصابیح " کراچی ، اصح المطابع و کارخانۂ تجارت، ۱۳۶۸ھ ، صفحہ ۴۷۰ ۔

(۲۱) محب ، ولی اللہ : " تاریخ فرخ آباد " (مترجم) محمد ایوب قادری "بنام عہد بنگش"، کراچی ، ایجوکیشنل کانفرنس پاکستان، ۱۹۶۵ء ، صفحہ ۳۸۸ ۔

(۲۲) میر سید محمد قنوجی کی وفات ۱۱۰۱ ہجری مطابق ۹۰-۱۶۸۹ء میں ہوئی - یہ سید محمد شاہجہاں آبادی کے مرید تھے - ہمیشہ علومِ دین کے درس اور معارفِ یقین کی نشرو اشاعت میں مشغول رہے - شاہجہاں بادشاہ نے آخر زمانۂ حکومت میں نہایت خواہش اور اعزاز کے ساتھ طلب فرمایا- اور اپنی قربت سے سرفراز فرمایا - آپ عالم گیر کے استاد تھے - علوم ریاضی و ادب میں ماہر و کامل تھے - ان کی تصنیف میں حاشیۂ مطول ہے - عالم گیر نے اپنے عہد حکومت میں بڑی نیاز مندی کے ساتھ اکبر آباد بلایا اور خصوصی اعزاز سے سرفراز کیا - حجۃ الاسلام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیائے علوم ان کے پیش نظر رہتی تھیں- ہفتے

میں تین روز شاہی مجلس کے مذاکرۂ علوم میں مشغول رہتے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بڑی سعی فرمائی -

(مولوی رحمان علی : تذکرۂ علمائے ہند - مرتب و مترجم محمد ایوب قادری ، کراچی ، پاکستان ھسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء ، صفحات ۲۲۸،۴۷۵)

(۲۳) قاسم ، قدرت اللہ ، " محولۂ بالا " ، صفحہ ۱۳۱ -

(۲۴) شوق ، صفحہ ۲۳۱ -

(۲۵) ش ، ۱ - صفحہ ۱۱۷ -

(۲۶) گ ، ش - صفحہ ۱۵۰ -

(۲۷) گ ، ۱ - صفحہ ۱۴۷ -

(۲۸) قاسم ، قدرت اللہ ، " محولۂ بالا " صفحہ ۱۳۱ -

(۲۹) شوق ، صفحہ ۲۳۱ -

(۳۰) ش - ۱ ، صفحہ ۱۱۷ -

(۳۱) گ - س - صفحہ ۱۵۰ -

(۲۳) ت ، ہ - صفحہ ۱۲۱ -

(۲۴) خوب چند ذکا ، " عیار الشعرا " (عکسی) انجمن ترقیٔ اردو کراچی ، صفحہ ۳۳۷ -

(۳۴) گ - ہ صفحہ ۱۵۱ -

(۳۵) ع ، م صفحہ ۳۳۴ -

(۳۶) م - ۱ ، صفحہ ۳۹۵ -

(۳۷) ت - ش صفحہ ۳ -

(۳۸) د - ف صفحہ ۵۰ -

(۳۹) خار صفحہ ۱۴۱ -

(۴۰) ا - ہ صفحہ ۴۷۶ -

(۴۱) کریم صفحہ ۱۴۵ -

(۴۲) سعادت خاں ناصر : " خوش معرکۂ زیبا " ، (قلمی) مملوکۂ کتب خانۂ انجمن ترقیٔ اردو کراچی ، صفحہ ۱۲۳ -

(۴۳) م - ن صفحہ ۱۳۱ -

(۴۴) شوق صفحہ ۲۳۱ -

(۴۵) ش - ۱ صفحہ ۱۱۷ -

(۴۶) گ - س صفحہ ۱۵۰ -

(۴۷) ت - ہ صفحہ ۱۲۱ -

(۴۸) ع - ش صفحہ ۳۳۷ -

(۴۹) گ - ہ صفحہ ۱۵۱ -

(۵۰) ع - م صفحہ ۳۳۴ -

(۵۱) م - ا صفحہ ۳۹۵ -

(۵۲) د - ف صفحہ ۵۰ -

(۵۳) نگار صفحہ ۱۴۱ -

(۵۴) ا - ہ صفحہ ۴۷۶ -

(۵۵) اسپرنگر : "یادگارِ شعرا" مرتبہ محمد طفیل احمد ، الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی ، ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۱۱ -

(۵۶) بہار ، صفحہ ۱۸۲ -

(۵۷) ش - ا صفحہ ۱۱۷ -

(۵۸) ت - ہ صفحہ ۱۲۱ -

(۵۹) م - ا صفحہ ۳۹۵ -

(۶۰) د - ف صفحہ ۵۰ -

(۶۱) ا - ہ صفحہ ۴۷۶ -

(۶۲) خوش صفحہ ۱۲۳ -

(۶۳) ی - ش صفحہ ۱۱۱ -

(۶۴) آ - ح صفحہ ۱۸۲ -

(۶۵) ت - ہ صفحہ ۱۲۱ -

(۶۶) ع - ش صفحہ ۳۳۷ -

(۶۷) قاسم ، قدرت اللہ : "محولۂ بالا" ، صفحہ ۳۲۰ -

(۶۸) د - ف صفحہ ۵۰ -

(۶۹) کریم صفحہ ۱۴۵ -

(۷۰) م - ا صفحہ ۳۹۵ -

(۷۱) ن - س صفحہ ۱۵۱ -

(۷۲) ر - گ صفحہ ۱۳۸ -

(۷۳) شوق صفحہ ۲۳۱ ۔

(۷۴) م - ن صفحہ ۱۳۱ ۔

(۷۵) چ - ش صفحہ ۲۸۳ ۔

(۷۶) عبدالغفور نسّاخ : " سخنِ شعراء " نول کشور پریس لکھنؤ ، ۱۸۷۴ء ، صفحہ ۲۲۷ ۔

(۷۷) سید علی حسن خاں : " بزمِ سخن " آگرہ ، مفید عام پریس، ۱۲۹۸ھ ، صفحہ ۱۰۲ ۔

(۷۸) نورالحسن خاں : " طورِ کلیم " آگرہ ، مفید عام پریس، ۱۲۹۸ھ ، صفحہ ۵۴ ۔

(۷۹) آ - چ صفحہ ۱۸۷ ۔

(۸۰) فرزند احمد صغیر : " جلوۂ خضر " ، آرہ ، مطبع نور الانوار ، ۱۸۸۵ء ، صفحہ ۱۲۵ ۔

(۸۱) شوق صفحہ ۲۳۱ ۔

(۸۲) ش - ا صفحہ ۱۱۷ ۔

(۸۳) ت - ہ صفحہ ۱۲۱ ۔

(۸۴) گ - ہ صفحہ ۱۵۱ ۔

(۸۵) ع - م صفحہ ۲۳۴ ۔

(۸۶) قاسم ، قدرت اللہ ، محولۂ بالا ، صفحہ ۳۲۰ ۔

(۸۷) و - ف صفحہ ۵۰ ۔

(۸۸) کریم صفحہ ۱۴۵ ۔

(۸۹) خار صفحہ ۱۴۱ ۔

(۹۰) س - س صفحہ ۹۸ ۔

(۹۱) ج - خ صفحہ ۱۲۱ ۔

(۹۲) عبدالشکور شیدا : " بیاضِ سخن " ، حیدرآباد دکن ، زندہ طلسمات آرٹ لیتھو پریس، ۱۳۵۵ھ ، صفحہ ۲۰ ۔

(۹۳) آ - ح صفحہ ۱۸۷ ۔

(۹۴) م - ن صفحہ ۴۸ ۔

(۹۵) آ - ح صفحہ ۱۸۳ ۔

(۹۶) رام بابو سکسینہ : " تاریخِ ادبِ اردو " ، گلوب پبلیشرز ، سنہ ندارد ، ص ۵۷ ۔

(۹۷) یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رستم خاں نے خود اپنے باپ کو زہر دے کر مار دیا ہو، غالباً مفتی ولی اللہ کو ناموں میں التباس ہوا - ہمارا خیال ہے کہ نواب مرتضیٰ خاں کے ایک لڑکے کا نام بھی رستم زماں خاں تھا - اس نے اپنے باپ یعنی مرتضیٰ خاں کا انتقام لینے

کے لیے مظفر جنگ کو زہر دے دیا ہو ، اور بجائے مظفر جنگ کے لڑکے رستم علی خاں کے مرتضیٰ خان کے لڑکے رستم زمان خاں کو آصف الدولہ نے لکھنؤ میں قید کر دیا ہو ، ممکن ہے انھی کے نام سے لکھنؤ میں ایک بستی رستم نگر آباد ہوئی ہو اور اس تعلق پر مہربان خان رند نے بھی اقامت اختیار کی ہو کیوں کہ مصحفی مرزا قتیل کے ہمراہ رند سے ملنے ان کے مکان پر اسی محلے میں گئے تھے -

(۹۸) ت - ہ ، صفحہ ۱۰۶ -

(۹۹) جے - سی - مارش مین : " تاریخ ہند " (مترجم) سید محمد عبدالسلام ، حیدرآباد دکن ، دارالطبع جامعۂ عثمانیہ، ۱۹۲۳ء ، صفحہ ۱۸۲ -

(۱۰۰) شوق ، صفحہ ۲۳۱ -

(۱۰۱) اضلاعِ بہار و بنگال برسات میں زیرِ آب آجاتے ہیں- معلوم ہوتا ہے کہ سوز کا یہ سفر برسات کے دنوں میں ہوا-

(۱۰۲) کلیم الدین احمد : " دو تذکرے (شورش و عشقی) " ، پٹنہ ، لیبل لیتھو پریس، ۱۹۵۹ء ، صفحہ ۲۲۶ -

(۱۰۳) میر جعفر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا نجم الدولہ، جنوری ، ۱۷۶۵ء میں نوابِ بنگال بنا اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سیف الدولہ ۱۷۶۶ء میں جانشین ہوا۔ سیف الدولہ کے مرنے کے بعد مبارک الدولہ مسند نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں صوبہ داری برائے نام رہ گئی تھی۔ ۳۱ لاکھ ۸۱ ہزار ۹ سو ۹۱ روپیہ سالانہ خرچ ملتا تھا - رحمان علی خاں ، " ریاض الامراء " ، نول کشور پریس لکھنؤ ، ۱۸۷۳ء ، صفحات ۵۴-۵۳ -

(۱۰۴) آ - ح صفحہ ۱۸۳ -

(۱۰۵) ت - ا - ا صفحہ ۱۵۷ -

(۱۰۶) قاسم ، قدرت اللہ : " محولۂ بالا " صفحہ ۳۲۰ -

(۱۰۷) کریم الدین : صفحہ ۱۴۵ -

(۱۰۸) گ - ہ ، صفحہ ۱۵۱ -

(۱۰۹) س - س صفحہ ۹۸ -

(۱۱۰) س - ش صفحہ ۲۲۷ -

(۱۱۱) عبدالحئی صفا : " شمیمِ سخن " ، مراد آباد ، مطبعِ امداد الہندیہ و عین الاخبار ، ۱۲۸۸ھ ، صفحہ ۱۵۱ -

(۱۱۲) دو تذکرے - صفحہ ۲۲۵ -

(۱۱۳) ق - ش ، صفحہ ۱۱۱ ۔

(۱۱۴) م - ا ، صفحہ ۳۹۶ ۔

(۱۱۵) گ - س ، صفحہ ۱۵۰ ۔

(۱۱۶) خوش ، صفحہ ۱۲۳ ۔

(۱۱۷) محی الدین مبتلا میرٹھی : " طبقاتِ سخن " ، (قلمی) مملوکہ گاندھی فیض عام کالج ، شاہجہاں پور ، صفحہ ۱۸۷ ۔

(۱۱۸) خلیق احمد نظامی : " تاریخ مشائخ چشت " ، دہلی : ندوۃ المصنفین ، ۱۹۵۱ء ، صفحہ ۵۲۲

(119) کریم ، ص ۱۷۸ -

(۱۲۰) ایڈورڈ تھارٹن : " ہسٹری آف برٹش ایمپائر " المصنفین لندن' ایچ - ایلن لینڈ کو ، لندن ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۷۲ -

(۱۲۱) ط - س ، صفحہ

(۱۲۲) خوش ، صفحہ ۱۲۳ -

(۱۲۳) م - ا ، صفحہ ۸ -

(۱۲۴) پچاس دیوانوں کی نقلیں دس روز میں ایک دو آدمی نہیں کر سکتے' یقیناً اس کام کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر کیا گیا ہو گا چونکہ میر سوز خود باکمال خوش نویس تھے' اس لیے یہ محکمہ انھی کی نگرانی میں کام کرتا ہو گا -

(۱۲۵) م - ا ، صفحہ ۸ - نصیرالدین ہاشمی " رسالۂ اردو " ماہ جنوری ، ۱۹۵۶ء ، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان ، مقالہ برتذکرۂ مجمع الانتخاب شاہ کمال ، صفحہ ۷۴ ۔

(۱۲۶) سرفراز الدولہ کا نام مرزا حسن رضا خاں تھا - ان کے والد کا نام مرزا علی رضا تھا - حسن رضا خاں شجاع الدولہ کے قدیم ملازم تھے ۔ آصف الدولہ بھی ان پر بہت مہربان تھا ۔ دربار سے ان کو سرفراز الدولہ ناظم الملک کا خطاب دیا اور اپنا قائم مقام بنایا - چوں کہ وہ دفتری کاموں سے ناواقف تھے اس لیے ان کے ماتحت انتظام الملک نصیر الدولہ حیدر بیگ خاں کو نائب بنایا اور مہاراجہ ٹکیت رائے کو ان کی کچہری میں مقرر کیا - سرفراز الدولہ کا انتقال ۱۲۱۶ ہجری مطابق ۱۸۰۲ء میں ہوا -

(۱۲۷) د - ف - صفحہ ۵۱ ۔

(۱۲۸) ت - ہ ، صفحہ ۵۱ ۔

(۱۲۹) سید محمد میر : " تواریخ اودھ " لکھنؤ' نول کشور پریس' ۱۸۹۶ء، صفحہ ۱۲۸ ۔

(۱۳۰) گ - ہ ، صفحہ ۱۵۱ ۔

(۱۳۱) د - ف - صفحات ۵۱-۵۰ -

(۱۳۲) ت - ہ ، صفحہ ۱۲۱ -

(۱۳۳) آ - ح ، صفحہ ۱۸۳ -

(۱۳۴) خوش ، صفحات ۲۴-۱۲۳ -

(۱۳۵) ط - ک ، صفحہ ۵۴ -

(۱۳۶) س - ش ، صفحہ ۲۲۷ -

(۱۳۷) بینی نرائن جہاں : " دیوانِ جہاں " ، (مرتبہ) کلیم الدین احمد ، پٹنہ ، لیبل لیتھو پریس، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۴۷ -

(۱۳۸) میر سوز نمبر، صفحہ ۲۴ -

(۱۳۹) م - ا ، صفحہ ۳۹۵ ، ۳۹۶ -

(۱۴۰) ت - ا ، صفحہ ۴۷۶ -

(۱۴۱) گ - ہ - صفحہ ۱۵۱ -

(۱۴۲) ع - م ، صفحہ ۳۳۴ -

(۱۴۳) نغز صفحہ ۳۲۰ -

(۱۴۴) کریم ، صفحہ ۱۴۵ -

(۱۴۵) دو تذکرے ، صفحہ ۶۱ -

(۱۴۶) ش - س ، صفحہ ۲۹ -

(۱۴۷) عبدالشکور شیدا : " بیاضِ سخن " ، حیدرآباد دکن ، زندہ طلسمات آرٹ لیتھو پریس ، ۱۳۵۵ھ ، صفحہ ۲۰ -

(۱۴۸) عبدالرؤف عشرت : " آبِ بقا " (مرتبہ) مرزا جعفر نشتر ، لکھنؤ ، نامی پریس، ۱۹۱۸ء ، صفحہ ۱۶۷ -

(۱۴۹) م - ا ، ۳۹۶ -

(۱۵۰) د - ف صفحہ ۵۰ -

(۱۵۱) س - س ، صفحہ ۹۸ -

(۱۵۲) خوش ، صفحات ۲۴-۱۲۳ -

(۱۵۳) د - ج ، صفحہ ۱۴۷ -

(۱۵۴) رک ، صفحہ ۵۴ -

(۱۵۵) س - ش ، صفاہ ۲۲۷ -

(۱۵۶) آ - ب ، ۱۶۷ -

(۱۵۷) آ - ب ، صفحہ ۱۶۷ -

(۱۵۸) ن - س ، صفحہ ۱۵۱ -

(۱۵۹) شوق - صفحہ ۲۳۱ -

(۱۶۰) ش - ا ، صفحہ ۱۱۷ -

(۱۶۱) ت - ہ ، صفحہ ۱۲۱ -

(۱۶۲) گ - ہ - صفحہ ۱۵۱ -

(۱۶۳) ع - م ، صفحہ ۳۳۲ -

(۱۶۴) کریم ، صفحہ ۱۰۲ -

(۱۶۵) نغز صفحہ ۳۲۰ -

(۱۶۶) م - ا ، صفحہ ۳۹۶ -

(۱۶۷) د - ف ، صفحات ۵۱-۵۰ -

(۱۶۸) خوش ، صفحہ ۱۲۳ -

(۱۶۹) ط - س ، صفحہ ۶۱ -

(۱۷۰) خوش ، صفحات ۲۴-۱۲۳ -

(۱۷۱) ش - س ، صفحہ ۱۶۰ -

(۱۷۲) س - ش ، صفحہ ۲۴۲ -

(۱۷۳) نغز صفحہ ۳۵۶ -

پس نوشت

○ میر سوز پر مقالہ راقم نے ۲۰ برس پہلے لکھا تھا ، چھپنے کی نوبت اب آ رہی ہے - اس طویل عرصے کے دوران معذور پیٹے کی بیماری سوہان روح بنی رہی ہے ، اور اب بھی ہے - اس سبب سے علمی سرگرمیاں سست پڑ گئیں ، بلکہ رک گئیں اور اس مقالے کی اشاعت کی طرف توجہ نہ ہو پائی - گھریلو پریشانیوں کی جانکاہی کو وہی بہتر جانتے ہیں جن پر گزرتی ہے - اب کہ ۱۹۹۳ء کا آخر ہے ، پس نوشت کے اضافے کے ساتھ مقالہ (جزواً) رسالہ تحقیق میں اشاعت کے لیے پیش کیا جاتا ہے-

○ گلشن ہند حیدری مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد (دہلی ، ۱۹۶۷ء) میں سوز تخلص کے دو مختلف تراجم کے تحت حواشی میں مرتب کی فراہم کردہ مفید معلومات ملتی ہیں- ایک حاشیہ ،

افاداتِ مرتب کے طور پر ، یہاں من و عن اقتباس کیا جاتا ہے :

" انتخاب دیوان کلکتے سے ۱۸۱۰ء میں شائع ہوا - حسرت موہانی نے بھی اردوے معلیٰ میں انتخاب چھاپا ہے- دیوان کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں - نسخۂ رامپور و علی گڑھ کو پیش نظر رکھ کر شعبۂ اردو ، دہلی یونیورسٹی نے دیوانِ سوز دہلی سے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے - اردوے معلیٰ میر سوز نمبر ص ۶ - ۵۵۸ - سید علی حیدر صاحب نیرؔ نے متعدد نسخوں کی مدد سے دیوانِ سوز اردو میں ڈاکٹریٹ کے لیے مرتب کیا ہے ، پہلی جلد چھپ گئی ہے ، دوسری جلد میں جس میں حالات و شاعری پر تبصرہ ہے ، زیرِ طباعت ہے - راقم الحروف (یعنی ڈاکٹر مختارالدین احمد) کے پاس میر سوز کے دیوان کا وہ انتخاب ہے جو انھوں نے خود کیا ہے - یہ پورا انھی کے قلم کا لکھا ہوا ہے - اس لیے اس کی اہمیت ظاہر ہے- دیکھیے (مقالہ بعنوان) " دیوانِ سوز کا ایک نسخہ " از مختارالدین احمد ، رسالہ اردو ، کراچی ، ۱۹۵۴ء - اب تک سوز کی کوئی اور تحریر نہیں ملی ہے -
(گلشنِ ہند حیدری ، نسخہ محولہ بالا ، ص ۶۶)

سید علی حیدر نیرؔ کی کتاب کی دوسری جلد جس کے زیرِ طباعت ہونے کا ذکر اوپر ہے ، غالباً آج تک چھپ کر سامنے نہیں آئی ہے-

○ حالیہ زمانے میں جناب زاہد منیر عامر نے میر سوز کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے - ان کا ایک عمدہ مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور ، ۱۹۹۳ء میں چھپا ہے -کتابیات ، اندازِ استدلال اور اخذِ نتائج سے مقالہ نگار کے علمی روّیے بخوبی نمایاں ہیں - اسی مضمون میں مقالہ نگار کے ایک اور مضمون " میر سوز : تبدیلی تخلّص کا مسئلہ " کی اطلاع بھی ملتی ہے-

○ میر سوز کے حالاتِ زندگی کی تسوید کے لیے ، تذکروں سے معلومات جمع کرنے میں انجمن کے دو فضلائے گرامی نے راقم کی مدد کی تھی - محترم ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے راقم کے ساتھ اور محترم مشفق خواجہ صاحب نے ان کے ساتھ تعاون فرمایا تھا - تہ دل سے اس علمی تعاون کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے - پھر راقم نے اس موضوع پر معلومات کے لیے ہندوستان کا ایک علمی سفر بھی کیا تھا ، اور بعض فضلاء سے مراسلت بھی کی تھی جن میں قاضی عبدالودود بھی شامل تھے- استاذی و مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی رہنمائی کی سعادت بھی حاصل رہی ہے- غرض یہ کہ ع تمتع ز ہر گوشۂ یافتم - دلی تشکر کے ساتھ اس ناچیز کوشش کو اشاعت کے لیے پیش کیا جاتا ہے تاکہ فضلاء کی آراء سے مستفید ہونے کا موقع ملے-